وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی. (البقرۃ:۱۹۷)

(آخرت کے لیے) توشہ جمع کرلو! کیوں کہ بہترین توشہ تقویٰ ہے۔

زادِ آخرت

محسن الامت عارف باللہ

حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبد اللہ صاحب پھولپوریؒ نور اللہ مرقدہٗ

بانی مرکزی خانقاہ شاہِ ابرار پھولپور اعظم گڈھ

از اجلّۂ خلفاء

محی السنہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی نور اللہ مرقدہٗ

زیر اہتمام

پیر طریقت حضرت مولانا شاہ مفتی محمد احمد اللہ صاحب پھولپوریؒ دامت برکاتہم

خلیفہ و جانشین

محسن الامت عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبد اللہ صاحب پھولپوریؒ نور اللہ مرقدہٗ

ناشر: اشرفی کتب خانہ ''مرکزی خانقاہ شاہِ ابرار''، پھولپور، اعظم گڈھ، یوپی

﴿تفصیلات﴾

نام کتاب: زادِ آخرت

صاحب خطبات: محسن الامت عارف باللہ

حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوری نوراللہ مرقدہٗ

کمپوزنگ: وکیل احمد کوپاگنج، مئو

سنہ طباعت: بارِ اوّل ۱۴۴۱ھ/ ۲۰۲۰ء

تعداد صفحات: ۸۰

تعداد اشاعت: ۲۲۰۰

ملنے کے پتے:

(۱) دفتر ''فیضانِ اشرف'' مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر، اعظم گڈھ، یوپی

(۲) ''خانقاہ شاہِ ابرار'' افضل گڈھ بجنور، یوپی

(۳) ''خانقاہ شاہِ عبداللہؒ'' مکان نمبر 4375 گلی نمبر 21 شانتی محلّہ پرانا سیلم پور دہلی 31

(۴) ''خانقاہ شاہِ ابرار'' (پنجابی مسجد) نمبر 10 نارتھ رنج کلکتہ-17

(۵) ''خانقاہ شاہِ عبداللہ'' 61/1L تپسیا روڈ کلکتہ-39

(۶) ''خانقاہ شاہِ ابرار'' 19/b-3# کراس عمر باغ لے آؤٹ جے پی نگر بنگلور-78

(۷) ''خانقاہ شاہِ ابرار'' مدرسہ بیت العلوم اورنگ آباد مہاراشٹر

(۸) ''خانقاہ شاہِ ابرار'' المنان کمپلیکس تھاوے روڈ گوپال گنج، بہار

E-mail:baitululoom256029@rediffmail.com

www.phoolpuri.org

فہرست مضامین

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد احمد اللہ صاحب پھولپوری دامت برکاتہم

خلیفہ و جانشین محسن الامت عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوری نور اللہ مرقدہٗ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے　　پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

قدسی الاصل ہے رفعت پہ نظر رکھتی ہے　　خاک سے اٹھتی ہے گردوں پہ گزر رکھتی ہے

اسلاف کے علوم و معارف اور اخلاص سے لبریز ملفوظات و ارشادات اخلاف کے لیے منارۂ نور ہوتے ہیں، جس قوم کا رشتہ اپنے بزرگوں سے وابستہ ہو اور اُس کی زندگی شریعت و سنت کے اِن ہادیوں کے نقشِ قدم پر گذرتی ہو ان شاء اللہ وہ قوم ضلالت و بے راہ روی سے ہمیشہ دور رہے گی، اس لیے کہ منعم علیہم کا راستہ نصِ قرآنی سے مستند اور مطلوب و محمود ہے، اللہ ربّ العزت نے تعلیماتِ اسلامیہ کو الفاظ و معانی اور صورتِ عملیہ کے ساتھ قرناً بعد قرنٍ منتقل کرنے کا یہ نظام بنایا کہ ہر زمانہ میں اس کے خاص بندوں کی ایک جماعت تعلیم و تعلم کے مبارک اور متوارث سلسلے میں اپنی زندگی کو کھپاتی رہی، ان کی مخلصانہ مساعیٔ جمیلہ کی برکتوں سے پوری قوم مجموعی اعتبار سے حق کی روشنی اور سنت کی برکتوں مشرف ہوتی رہی ہے، خوش نصیب ہیں وہ بندگانِ خدا جنھیں اشاعتِ حق کے سلسلہ میں کچھ بھی اپنی قربانیوں کو پیش کرنے کا موقع مل گیا۔

والد ماجد شیخ محترم محسن الامت عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوری نور اللہ مرقدہٗ از اجلۂ خلفاء محی السنہ شیخ المشائخ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب

ہردوئی علیہ الرحمہ ونبیرہ سلطان العارفین قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری علیہ الرحمہ اللہ کے ان برگزیدہ بندوں میں سے تھے جن کی حیاتِ چندروزہ شریعتِ حقہ کی پاسبانی میں گذر گئی، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل آپ کی زندگی کا نصب العین تھا، عشق الٰہی اور حبّ رسول کے آپ گویا پیکر تھے، لسان حق ترجمان سے اخلاص ومحبت کے بے شمار چشمے جاری ہوئے، ذکرِ مولیٰ اور یادِ حبیبؐ میں سجائی ہوئی لاتعداد مجلسوں کو آپ نے عشق کے سوز وساز سے گرمایا، غفلت وعصیاں کی دلدل میں پھنسی ہوئی انسانیت کو آشنائے درد بنایا، وہ مبارک فرمودات وارشادات اور سراپا خیر وبرکت خطابات جو کہ حاضرین کے لیے سرمایہ سعادت ہوا کرتے تھے، اللہ ربّ العزت کی مرضی اوران کی توفیق سے اب غائبین کے لیے بھی موجبِ فوز وفلاح ہورہے ہیں، آپ کے بیانات کو یکجا کر کے کتابی شکل دینے کا سلسلہ جاری ہے، متعدد کتابیں منظر عام پر اس سے قبل آچکی ہیں، اس وقت یہ رسالۂ نافعہ بنام ''**زادِ آخرت**'' پیش خدمت ہے۔

دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ اس کارِ خیر میں اخلاص اور دوام بخشے، قارئین کے لیے ذریعۂ ہدایت بنائے اور حضرت محسن الامت علیہ الرحمہ کی روحِ پرفتوح کو ہم تمام اولاد واحفاد سے مسرور فرمائے۔ (آمین) وماتوفیقی الاّ باللہ۔

والسلام

(مفتی) محمد احمد اللہ پھولپوری غفر اللہ لہٗ ولوالدیہ

خادم مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ (یوپی)

۲۹ر جمادی الاخریٰ ۱۴۴۱ھ

اتباعِ رسول اوراس کے ثمرات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ. وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِيَ لَہٗ. وَنَشْھَدُ أَن لَّا اِلٰـہَ إِلَّا اللّٰہُ، وَنَشْھَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ. صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ.

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. ’’قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ‘‘ (آل عمران: ۳۰) صدق اللہ مولانا العظیم.

تمہیدی بیان:

میرے محترم بزرگو اور دوستو!

میں نے ابھی آپ حضرات کے سامنے جو آیت شریفہ تلاوت کی ہے اور بیان کے لیے جس آیت کو میں نے منتخب کیا ہے، وہ آیت شریفہ نعت خواں کے اشعار سن کر میرے ذہن میں آئی ہے اور چوں کہ بہت مختصر سی بات عرض کرنی ہے، اس لیے آیت شریفہ بھی اختصار کے طور پر پڑھی گئی ہے، دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور عمل کا جذبہ عطا فرمائے۔ (آمین)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اللہ کی عظیم سخاوت ہے:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہر مؤمن بندے کو اپنے محبوب نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا حصہ لینے کے لیے ایک طریقہ بتادیا کہ جب میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر سخاوت کی ہے تو پھر قیامت تک ان کے اعمال، افعال، اخلاق اور کردار کی بھی سخاوت کرتا ہوں، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر احسان جتایا ہے، اس لیے کہ اس دنیا میں کوئی بھی شخص اپنے محبوب کی سخاوت نہیں کرتا، بلکہ سفارش کرنے پر بھی سخاوت نہیں کرتا؛ لیکن چوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کی ہے اور اسی پر بس نہیں بلکہ ان کے اعمال، افعال، اخلاق اور کردار کی بھی سخاوت کی ہے اور قیامت تک کے لیے سخاوت کی ہے، تو احسان جتا کر کون سا غلط کام کیا ہے، یہ تو بالکل حق بیانی ہے، کیوں کہ اس دنیا میں کوئی بھی شخص کسی کو اپنا محبوب نہیں دیتا۔

دو مثالیں:

اس کی میں ایک مثال دیتا ہوں: کہ اگر کسی انسان کو مال سے محبت ہوجائے اور وہ شخص مال کو اپنا محبوب بنالے تو ساری دنیا کے سامنے کہتا پھرتا ہے کہ ہماری ساری چمڑی کھینچ لو! لیکن ایک بھی دمڑی نہیں دونگا، ایسا کیوں؟ اس لیے کہ وہ مال اس کا محبوب ہے اور اپنا محبوب کوئی شخص سخاوت نہیں کرتا، اپنی جان دینے کے لیے تیار تو ہوجاتا ہے، لیکن اپنے محبوب کو دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

ایسے ہی اگر کسی نے اپنے آپ کو لیلیٰ پر قربان کردیا اور لیلیٰ کو اپنا محبوب بنالیا تو

ہر چیز چھوڑنے کے لیے تیار؛ لیکن لیلیٰ کی محبت کو چھوڑنے کے لیے اور اس کی محبت کو طلاق دینے کے لیے تیار نہیں، اس کی محبت کو قربان کرنے کے لیے تیار نہیں، چناں چہ کتابوں میں لکھا ہے کہ جب مجنوں کے باپ نے اس کو توبہ کرانے کے لیے مقام ملتزم پر لے گیا، تو اس سے کہا کہ فرمایا: کہو! ''اِلٰھِیْ تُبْتُ عَنْ کُلِّ الْمَعَاصِیْ ''ترجمہ: اے میرے اللہ! میں تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں، اس پر مجنوں نے کہا: ''اِلٰھِیْ تُبْتُ عَنْ کُلِّ الْمَعَاصِیْ وَلٰکِنْ حُبَّ لَیْلٰی لَاعَاصِیْ ''یعنی اے اللہ میں ہر گناہ سے توبہ کرتا ہوں، لیکن حبّ لیلیٰ سے توبہ نہیں کرتا، اس لیے حبّ لیلیٰ میرے نزدیک گناہ ہی نہیں ہے اور اگر گناہ ہے تو بھی اس گناہ کو باقی رکھنا چاہتا ہوں، اس کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔

معلوم ہوا کہ کوئی شخص اپنا محبوب کسی کو نہیں دینا چاہتا اور نہ اس کی سخاوت کرنا چاہتا ہے۔

ہر شخص اپنا محبوب متعین کرنے میں خود مختار ہے:

میرے دوستو! ہر آدمی کو اپنا محبوب متعین کرنے میں اختیار ہے، جسے چاہے اپنا محبوب متعین کرسکتا ہے؟ کتے کو، سور کو، یہودی کو، نصرانی کو، مجوسی کو اور ہندو کو اپنا دوست اور محبوب بنا سکتا ہے، اس لیے کہ آدمی کے اختیار کو کوئی چھین نہیں سکتا ہے؛ لیکن بات یہ ہے کہ آدمی کو جس چیز سے بھی محبت ہو جائے وہ اس کی سخاوت نہیں کرنا چاہتا، خواہ سور اور کتے سے محبت ہی کیوں نہ ہو جائے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کی ہے، تاکہ دنیا والے بھی محبوب کے محبوب سے محبت کریں۔

محبت میں دعوائے محبت کافی نہیں، اصل اتباع ہے:

محبت میں دعوائے محبت کافی نہیں، نیز محبوب سے فائدہ اٹھانے کے لیے صرف تمنا کافی

نہیں ہے، بلکہ اس کا ایک ضابطہ ہے، لہٰذا جو بھی اس ضابطہ پر عمل کرے گا وہی عاشقِ نبی ہوگا، جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے گا اور غلامی کرے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے میں فرمادیں گے کہ یہ میرا غلام ہے اور جو نہیں کرے گا اس کے بارے میں بھی فرمادیں گے کہ یہ میرا غلام نہیں ہے، معلوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کو منتقل کرنے کے لیے اتباع کا ضابطہ نازل فرمایا ہے اور فرمایا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے محبوب ہیں یا نہیں؟ تمہارے دل میں میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت واہمیت ہے یا نہیں؟ یہ تمہارے ہاتھ پیر بتائیں گے، تمہارے اعضاء وجوارح اس کی گواہی دیں گے۔

ایک انمول مثال:

میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں کہ اگر کسی ملک کے بادشاہ کی کوئی چاہت ہو اور اس کی کوئی خواہش ہو تو رعایا بادشاہ کی اس چاہت کو پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے اسباب بھی مہیا کرتی ہے۔

اسی طرح یہ دل بھی بادشاہ ہے اور باقی اعضاء وجوارح اس کی رعایا ہیں، لہٰذا تم نے اس دل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق بنایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے لیے اس کو جھکایا ہے تو پھر تمہارا چہرہ گواہی دے گا؟ ہاتھ گواہی دیں گے، ہاتھ پیر گواہی دیں گے۔ الغرض سارے اعضاء وجوارح گواہی دیں گے اور تڑپ رہے ہوں گے کہ ہم اپنے اندر اپنے محبوب کی مشابہت کیسے پیدا کریں اور اسی کی کوشش بھی کرتا رہے گا، اسی لیے حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں ؎

یہاں تک جذب کرلوں کاش تیرے حسن کامل کو
تجھ ہی کو سب پکار اٹھیں گزر جاؤں جدھر ہوکر

اتباع کامل کی علامت:

اگر کسی مرید کو اپنے شیخ کے ساتھ متعلق بتانے کی نوبت آجائے تو سمجھ جاؤ کہ یہ شخص اپنے شیخ کی اتباع میں ناقص ہے، اس کی صحبت میں نقص ہے، کیوں کہ تعلق تو اس کے اقوال ،افعال اور احوال بیان کرتے ہیں نہ کہ زبان!۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے صرف اپنا ایک تعارف کرایا تھا اور کہا تھا ’’ھٰذَا صَاحِبُ رَسُوْلِ اللہِ‘‘ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ ہیں، اب اس کے اعضاء و جوارح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع، ان کی زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان، ان کی نگاہوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کا حسن اور ان کے دل و دماغ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل و دماغ والے اعمال و افعال جاری ہونے لگیں گے۔

معلوم ہوا کہ یہ ان کی صحبت کا اثر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اثر تھا کہ وہ لوگ اپنے محبوب کے ماسوا سے اپنی نظریں پھیر کر زندگی گزارنا چاہتے تھے۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحب فرماتے ہیں ؎

نہ کوئی غیر آجائے نہ کوئی راہ پا جائے
حریم دل کا احمد اپنے ہر دم پاسباں رہنا

یعنی اے لوگو! اپنے دل کی نگرانی کرتے رہو کہیں اس میں کوئی دوسرا نہ آنے پائے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دل اپنے لیے، نیز اپنی نسبتوں کی پاسداری کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور ان کی بھی نسبتوں کی پاسداری کے لیے خاص کر رکھا ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ سے محبت ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو، یہ محبت

للحق کہلاتی ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کوئی غیر اللہ کی محبت نہیں کہلاتی، کیوں کہ یہ محبتِ رسول، اللہ تعالیٰ کی محبت کی شرح اور اس کی تکمیل ہے۔

''قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ'' کی تفسیر:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ'' (آل عمران:۳۱) میں کلام کا جو انداز اختیار کیا ہے وہ بہت ہی شاندار اور نرالا ہے۔

چناں چہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''قُلْ''، یعنی اے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ میرے بندوں سے کہہ دیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو تم میری اتباع کرو! تو اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو یہ حکم بالواسطہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ جو بادشاہ ہوتا ہے، وہ اپنے وزیر سے بات کرتا ہے، عوام اور رعایا سے بات نہیں کرتا اور چوں کہ اللہ تعالیٰ بادشاہ حقیقی ہیں، پھر وہ انسانوں سے بالواسطہ کیسے بات کر سکتے ہیں، نیز انسان کی قوت سماعت بھی اللہ تعالیٰ کے کلام کا تحمل کہاں کر سکتی ہے، ملائکہ مقربین غش کھا کر گر جاتے ہیں، تو بھلا یہ انسان اللہ کے کلام کا تحمل کیسے کر سکتا ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ کہہ دیجیے۔ نیز اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر چہ اللہ تعالیٰ کے سارے احکامات حکم ہی سے آئے ہیں، لیکن یہاں لفظ ''قُلْ'' کی وضاحت یہ بتا رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی اتباع کی دعوت دینا اپنی طرف سے نہیں تھا، اس لیے کہ اتباع کا دعویٰ کہ میری اتباع کرو! اس میں ایک طرح کا ایہام تھا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ایہام سے بھی بچا لیا اور فرما دیا کہ میرے محبوب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش نہیں ہے کہ میری اتباع کی جائے، بلکہ محبوب تو چاہتا ہے کہ میرا نام نہ رہے بلکہ میرے اللہ کا نام رہے۔

ایک مرتبہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ نے اپنے شاگردوں اور اپنے

احباب سے پوچھا تھا کہ بھائی حدیثوں میں آتا ہے ''مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ''
نیز بخاری اور مسلم کی روایت ہے: ''يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا''۔

جب کہ بالاتفاق ''لَا اِلٰــــهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے ساتھ محمد رسول اللہ کی شمولیت بھی مراد ہے۔ نیز ان حدیثوں کی شرح کرتے ہوئے ہر شارح نے لکھا ہے: ''اَلْـمُـرَادُ اَلْـكَـلِـمَةُ باسْرِها'' کیوں کہ اگر کوئی ''لا إله إلّا الله'' پڑھ دے اور ''محمد رسول الله'' کا اقرار نہ کرتا ہو تو وہ شخص کافر ہی رہے گا۔ ورنہ آج ہر یہودی مسلمان ہوجاتا اور ہر نصرانی مسلمان ہوجاتا، کیوں کہ تمام یہودی اور تمام نصرانی ''لا إلـه إلّا الله'' کا اقرار کرتے ہیں اور پڑھتے ہیں تو جب علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ نے اپنے شاگردوں سے سوال کیا اور پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ'' اور کہیں بھی محمد رسول اللہ کا تذکرہ نہیں، آخر اس کا راز کیا ہے؟ تو علامہ شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمہ نے کہا کہ حضرت ہمارا ذہن تو کبھی ادھر نہیں گیا تھا، اچھا ہے کہ آپ ہی بتادیں، نیز مجھے بھی غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی طریق میں محمد رسول اللہ کی شمولیت منقول نہیں ہے، بلکہ ہر طریق میں ''لا إلـه إلّا الله'' اور ''لا إلـه إلّا الله'' وارد ہوا ہے (غور کیجیے کہ ہمارے اکابرین کا ذہن کہاں گیا) تب حضرت والا علیہ الرحمہ نے خود ہی فرمایا کہ میرے ذہن میں یہ بات آرہی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے نام کے بعد اپنا نام لگانا مناسب نہیں سمجھا، گویا کہ تواضعاً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اللہ کے نام کے بعد اپنا نام ذکر نہیں فرمایا۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی تواضع:

جیسا کہ شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں مجھے اپنے بڑوں کے سامنے اپنا نام لینا

بھی اچھا نہیں لگتا اور فرمایا کہ میں تو ان کے نام کے سامنے قربان ہوجانا چاہتا ہوں، تو علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع ہی کی بنا پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''حِیْنَـمَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِیْ'' یعنی میرے محبوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب تک میرا نام دنیا میں لیا جائے گا، تب تک میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام بھی لیا جاتا رہے گا، اس لیے کہ داستان محبت بغیر محبّ کے محبوب کے لیے پوری نہیں ہوتی، لہٰذا کوئی شخص صرف ''لا إلـٰه إلّا الله'' پڑھ کر جنت میں نہیں جاسکتا جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار نہ کرلے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے لوگو! سن لو! جب کلمۂ اذان میں ''أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ'' کا اعلان ہوگا تو ''أَشْهَـدُ أَنَّ مُـحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ'' کا بھی اعلان ہوگا۔ یہی ہے ہے ''حِیْنَمَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِیْ''۔

حضرت والا محسن الامت علیہ الرحمہ کی ایک نصیحت:

بھائی! ان حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ انسان کو ہمیشہ بندہ بن کر رہنے کی فکر کرنی چاہیے، اسے اپنے کو چھپانا چاہیے، کیوں کہ چھوٹے کو سکھایا گیا ہے کہ اپنے کو چھپائے بڑوں کے سامنے اپنا نام نہ لائے، اپنے نام کے چکر میں نہ رہے، اپنے لیے کوئی لقب تجویز نہ کرے، کسی سے سفارش نہ کرائے کہ حضرت سے کہہ دیں کہ ہمارے لیے بھی کچھ کردیں اور ہمارے اوپر بھی کچھ رحم کردیں۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے ایک مرید کا واقعہ:

حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ

کے یہاں ایک صاحب کا معاملہ پیش ہوا کہ یہ شخص اپنے ملفوظات یکم جنوری سے نوٹ کر کے رکھے ہوئے ہیں تو حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بھائی ان کو خانقاہ سے نکال دو!۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے ایک مرید کا واقعہ:

حضرت مولانا مفتی حنیف صاحب علیہ الرحمہ نے ایک مرتبہ قصہ سنایا کہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب علیہ الرحمہ کے یہاں ایک آدمی آیا اور بیعت ہو گیا؛ لیکن حضرت والا علیہ الرحمہ سے بیعت ہونے کے بعد تکیہ لگا کر بیٹھ گیا، تب لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ تو کہنے لگا کہ مجھے بات سمجھ میں آ گئی اور میں نے سیکھ لیا کہ پیر کا کام اتنا رہتا ہے کہ بس تکیہ لگا کر بیٹھا رہے (اس لیے میں بھی تکیہ لگا کر بیٹھ گیا ہوں)۔

اللہ تعالیٰ سے محبت نبی کی اتباع اور ان سے محبت ہے:

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے بواسطہ جبرئیل فرمادیا کہ ''حِیْـنَـمَـا ذُکِـرْتُ ذُکِـرْتَ مَعِیْ ''یعنی اے میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ اپنا نام چھپاتے ہیں تو سن لیجیے کہ جب میرا تذکرہ ہوگا تب آپ کا بھی تذکرہ ہوگا اور اے میرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اعلان کر دیجیے ''اِنْ کُـنْـتُـمْ تُـحِبُّـوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ''یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو تم میری اتباع کرو! کیوں کہ میری محبت کے بغیر تمہیں اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب نہیں ہو سکتی اور میری اتباع کے بغیر تم اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچان سکتے، اور سن لو اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر انداز کر کے تحریک چلانا چاہتا ہے تو میں ہر جگہ کہتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے یہاں ڈائریکٹ جانا چاہتے ہو تو اڑ جاؤ گے اور کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے پاس جا نہیں سکتے، جب تک

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ نہ آجائے۔

محبت اور ارادۂ محبت میں فرق ہوتا ہے:

میرے دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت کرنا تو ہر آدمی چاہتا ہے؛ لیکن محبت میں دو چیزیں ہوتی ہیں: (۱) محبت کرنا (۲) دل میں صرف محبت کا خیال رکھنا اور اپنی زبان سے ظاہر کرنا؛ لیکن درحقیقت اس محبت اور ارادۂ محبت میں فرق ہے، جس کو ’’فاتبعونی‘‘ واضح کرتا ہے۔

محبت اور دعوائے محبت کے درمیان فارق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع بتاتی ہے کہ محبت ہے بھی یا صرف دعوائے محبت ہے۔

جیسا کہ شیعہ لوگ بھی رٹ لگاتے ہیں کہ یا حسین ہم نہ تھے اگر ان لوگوں کی ان سے اتنی محبت ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لیے جنت کا دروازہ کھول دیتے اور جنت میں امتیوں میں سب سے پہلے وہی لوگ چلے جاتے اور ایک جگہ جمع ہو جاتے، بھائی! یہ ان لوگوں کی صرف دعوائے محبت ہے محبت کا تو نام ونشان نہیں!!۔

محبت اور دعوائے محبت میں فرق کی ایک واضح مثال:

چناں چہ حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ نے ایک قصہ لکھا ہے کہ لیلیٰ کے ساتھ مجنوں کے عشق کی داستانیں سن کر کچھ عشاق ایک جگہ جمع ہوئے، یہ کہہ کر صاحب مجنون کی خوب شہرت ہو رہی ہے اور اس کا خوب چرچا ہو رہا ہے، لہٰذا چلو! ہم لوگ بھی اس میں شامل ہو جائیں اور حصہ لیں۔

چناں چہ جب لیلیٰ کو اس بات کی اطلاع ملی کہ آج تو چند آدمی اور دکھائی دے رہے

ہیں تو پوچھنے لگی کہ یہ کون لوگ ہیں، لوگوں نے کہا کہ یہ تو آپ کے نئے عاشق ہیں؛ لیکن لیلیٰ بہت چالاک تھی، وہ محبت اور دعوائے محبت کو پرکھنے اور جانچنے کے لیے کہنے لگی کہ ایک طشتری اور ایک چھری لے جاؤ اور ان لوگوں سے کہہ دینا کہ لیلیٰ نے ان س ان کے جسم سے کسی حصے کی بوٹی مانگا ہے؛ کیوں کہ اسے اپنے عاشقوں کے گوشت سے ناشتہ کرنے کا دل چاہ رہا ہے۔

اب جیسے ہی ان لوگوں نے یہ بات سنی تو پھٹا پھٹ استنجاء کی چھٹی لے کر بھاگنا شروع کر دیا اور وہ مجلس اور وہ محفل جو لیلیٰ کی یاد میں منعقد کی گئی تھی فوراً ختم ہوگئی، تو یہ ہے محبت اور دعوائے محبت میں فرق کی واضح مثال۔

مجاہدہ کی حکمت:

اگر اللہ تعالیٰ جنت میں جانے کے لیے مجاہدہ نہ رکھتے تو پھر کوئی جنت سے جہنم میں جا سکتا تھا، کوئی بھی نہیں؛ بلکہ سب کے سب جنت میں چلے جاتے اور سارے انسانوں کی منزل جنت ہو جاتی۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان اور جنت کے درمیان ایک مجاہدہ رکھ دیا ہے، تا کہ جو لوگ مجاہدہ کرتے ہیں وہ جنت میں جائیں اور جو مجاہدہ نہیں کرتے ہیں وہ اپنا راستہ ڈھونڈ لیں۔

چناں چہ حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا ہے "**حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ**" اس کا راز یہی ہے کہ انسان واقعۃً جنت کا طالب ہے یا نہیں؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جنت کو مکارہ سے گھیر دیا اور جہنم کو شہوتوں سے۔

چناں چہ وہ محبت کا دعویٰ کرنے والے اور بناوٹی عاشقین استنجاء کی چھٹی لے کر سب بھاگ گئے اور ایک اصلی والا مجنوں وہاں باقی رہ گیا، تو اس شخص نے مجنوں سے کہا کہ ایسا ہے، آج لیلیٰ نے آپ کے جسم کا گوشت مانگا ہے اور آپ کے جسم کے گوشت سے وہ

ناشتہ کرنا چاہتی ہے۔

اب صرف یہ جملہ سنتے ہی مجنوں بااختیار کہنے لگا کہ کدھر کا گوشت مانگا ہے، دائیں کا یا بائیں کا، ہاتھ کا یا پیر کا، جلدی بتاؤ کہاں کا گوشت مانگی ہے، اس شخص نے کہا کہ مجھے یہ تو نہیں معلوم اچھا میں پوچھ کر آتا ہوں، جب وہ گیا تو لیلیٰ کہنے لگی۔

محبت کا امتحان میدان جنگ میں ہوتا ہے:

اس دنیا میں سبھی ایک دوسرے کو بھائی کہنے والے ہیں اور سبھی ایک دوسرے سے محبت کا دعویٰ کرنے والے ہیں؛ لیکن محبت کا امتحان تو میدان جنگ میں ہوتا ہے اور میں تو کہتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اپنی محبت کا امتحان نہ لینا ہوتا، نعمت اور مولائے نعمت کے درمیان فرق کو نہ سمجھانا ہوتا اور نعمت کا بندہ ہے یا منعم کا بندہ ہے، یہ نہ سمجھانا ہوتا تو اللہ تعالیٰ انسانوں کو جنت ہی میں جنت بانٹ دیتے اور کہہ دیتے کہ آدھے اِدھر چلے جاؤ اور آدھے اُدھر چلے جاؤ!۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسانوں کو بھیج کر بتا دیا کہ نعمت کا بندہ کون ہے؟ مطلب پرست کون ہے؟ ہوس پرست کون ہے؟ نفس کا پجاری کون ہے؟ اور میرا پجاری کون ہے؟ ان دونوں کو سمجھانے کے لیے نعمت اور منعم کے درمیان فرق کو واضح کیا۔

میرے دوستو! یاد رکھنا امتحانِ محبت نعمت سے نہیں ہوتا، بلکہ امتحان محبت تو مشقت سے ہوتا ہے، امتحان محبت مصیبت سے ہوتا ہے، امتحان محبت فاقہ کشی سے ہوتا ہے اور امتحان محبت تو مجاہدات سے ہوتا ہے، ورنہ کس کو وزارت کی کرسی اچھی نہیں لگتی اور کون ہے؟ جس کو دمکتا اور چمکتا ہوا پلاؤ اچھا نہ لگتا ہو؛ لیکن پہلے مجاہدہ درکار ہے، پھر بعد میں ساری نعمتیں تو ہیں ہی، آپ کے لیے!۔

صحبت اہل اللہ کے ساتھ ترکِ معاصی بھی ضروری ہے:

اسی لیے دادا جان قطب الاقطاب شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری علیہ الرحمہ خلیفہ اجل حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ جب ''یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ ''(سورۂ توبہ:۱۱۹) پڑھتے تو اس کے ساتھ ساتھ ''وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ''(سورۂ عنکبوت:۶۹) بھی پڑھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کو کبھی کبھی ''کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ ''پر عمل کرنے کا موقع تو ملتا ہے؛ لیکن اسے گناہ چھوڑنے کی فکر نہیں ہوتی، جس کی بنا پر کیا کرایا عمل ناقص ہوجاتا ہے، صحبت ناقص ہوجاتی ہے اور پھر مشاہدہ میں جو چیز ملنی چاہیے تھی وہ نہیں مل پاتی اور پھر وہ شخص اس سے محروم ہوجاتا ہے، اس لیے اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ گناہوں کو چھوڑنا اور ترک کرنا بھی ضروری ہے۔

محروم ہونے والوں کی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے منافقین کا محروم ہونا ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے ''کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ ''پر عمل تو ہوتا تھا، لیکن ''وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا ''پر عمل نہیں ہوتا تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے بھی منافقین کی ایک جماعت تیار ہوگئی۔

اسی لیے میں کہتا ہوں کہ بھائی ابتداءِ دین ہی سے اسلام کی (Duplicating) شروع ہوگئی تھی (Original) اسلام تو ابوبکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم اجمعین کے گھر گیا تھا اور دیگر مخلصین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھر گیا تھا اور منافقین نے نقلی اسلام بنا کر رکھ لیا تھا۔

منافقین کے کچھ صفات:

چناں چہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں منافقین کے کچھ صفات کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:''وَاِذَا قَامُوْا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی یُرَاءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا''(سورۃ النساء:۱۴۲) نیز ایک جگہ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں''وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِہِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَہْزِءُوْنَ''(سورۃ البقرۃ:۱۴) یعنی آدھے تیتر اور آدھے بٹیر، چناں چہ کہیں اپنے کو یہودی دکھاتا ہے، کہیں نصرانی دکھاتا ہے، کہیں مجوسی دکھاتا ہے اور کہیں بت پرست دکھاتا ہے اور کہیں مسلمان دکھاتا ہے، بھائی یہ کیا ہورہا ہے، یہ تو ہر جگہ اپنا رنگ بدل رہے ہو، چناں چہ آج کا مسلمان اگر مغربی ممالک چلا گیا ہے تو نصرانیوں کے مطابق زندگی گزارتا ہے اور اگر اسرائیل چلا گیا تو یہودیوں کے مطابق زندگی گزارتا ہے اور اگر سعودیہ چلا گیا تو مسلمانوں کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ منافقین والا دین آج کے مسلمانوں کے اندر بھی منتقل ہوگیا۔

اے لوگو! اپنے دین کے معاملہ میں فکر کرو!

اسی لیے میں یہ بات کہا کرتا ہوں کہ دین کے معاملہ میں اسی طرح فکر کرنے کی ضرورت ہے جس طرح دنیا کے معاملہ میں فکر کرتے ہو، چناں چہ جب آپ (Cement) خریدنے جاتے ہیں تو سوچتے ہیں کہ یہ (Cement) اصلی ہے یا Duplicate جب چاندی خریدتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اصلی ہے یا Duplicate؛ لیکن ہمارا دین اصلی ہے یا نہیں، ہمیں اس کی بالکل بھی فکر نہیں اگر نقلی مال بھی دین کے نام پر

آ جائے تب بھی کوئی فکر نہیں ہوتی!! نیز ہمارے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے یا نہیں؟ ہمارے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی ہے یا نہیں؟ ہمیں فکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، اور سوچتے ہیں کہ ہمارے لیے دعوائے محبت اور نعرۂ محبت کافی ہو جائے گا۔

محبت کا امتحان تکالیف میں ہوتا ہے، راحتوں میں نہیں:

میرے بھائی! دعوائے محبت تو شیعہ بھی کرتے ہیں اور میں تو کہتا ہوں کہ جتنا دعوائے محبت شیعہ کرتے ہیں اتنا کوئی نہیں کرتا، اور دعوائے محبت تو منافقین بھی کیا کرتے تھے؛ لیکن یہ دعوائے محبت اثبات محبت کے لیے کافی نہیں، میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمادیا تھا ''اِتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلاً''، یعنی میں نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنالیا ہے، تو پھر کیا وجہ تھی ابراہیم کو اتنے امتحانات سے گزارنے کی، اللہ تعالیٰ سے کون پوچھنے والا تھا کہ آپ نے ابراہیم کو کیوں اپنا خلیل بنالیا ہے؟ لیکن میرے بھائی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو پہلے دس ڈگری امتحان سے گزارا، تب جا کر ان کو اپنا خلیل بنایا تو اس سے معلوم یہ ہوا کہ محبت کا امتحان ابتلاء کے ساتھ ہوتا ہے، دسترخوان سے نہیں ہوتا؛ کیوں کہ دسترخوان پر ہر آدمی کہتا ہے بھیّا بھیّا پانی لاؤ اور چاول لاؤ، گوشت لاؤ؛ لیکن جب اس سے دسترخوان سے باہر ملیے تب معلوم ہوگا کہ یہ ہمارا ہے یا غیر کا۔

ابتلاء کے ذریعہ ایک صحابی کا امتحان:

آپ لوگ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان پڑھیئے، ان کا کن کن

واقعات سے گزرہوا، نیز حضرات صحابہ کرام کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسی محبت تھی، وہ پڑھیے؟ چناں چہ حضرات صحابہ میں سے ایک صحابی کو کفارِ قریش قیدی بنا کر لاتے ہیں اس کے بعد ان کو پھانسی دینے کا فیصلہ ہوجاتا ہے اور جب پھانسی دینے کی تیاری ہوچکی اور حدودِ حرم سے باہر لائے گئے اور پھر تختہ دار پر لانے کا نمبر آ گیا تو ابوسفیان کہنے لگے کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تم کو چھوڑ دیا جائے اور تمہاری سولی منسوخ کر کے تمہارے رسول محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو سولی دیدی جائے؟ اب اگر وہ (Duplicate) ہوتے تو کہتے ٹھیک ہے، میں راضی ہوں؛ کیوں کہ وہاں تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے نہیں، لیکن چوں کہ محبت اپنے محبوب کی تھوڑی سی بھی تکلیف کو برداشت نہیں کرسکتی، اس لیے انہوں نے فوراً اور برجستہ یہ جواب دیا کہ تم بہت بڑی بات کہہ رہے ہو، میں تو اسے بھی گوارہ نہیں کرتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں موجود ہوں اور ان کے پاؤں میں ایک کانٹا چبھ جائے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا چبھنے کی تکلیف میری جان دینے سے بچ جائے تو میری ایسی سو جان بھی قربان ہو، میں اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک کانٹے کی تکلیف دینا بھی گوارہ نہیں کرسکتا؛ تب ابوسفیان کہنے لگے کہ میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کو دیکھا ہے اور بڑے چاپلوس لوگوں کو دیکھا ہے کہ سامنے تو سجدہ کرتے ہیں اور پس پردہ برائی کرتے ہیں اور منہ میں رام بغل میں چھری کے مصداق بنے بیٹھے ہیں؛ لیکن محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے غلاموں کی عجیب غلامی ہے، اس کی کوئی نظیر اور مثال نہیں، جیسے سامنے ویسے پیچھے رہتے ہیں اور جتنے پیچھے ہوئے جاتے ہیں ان کی محبت میں اتنی ہی تیزی آتی جاتی ہے۔

اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اصل سعادت مندی ہے:

آج ہم اپنے آپ کو اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینہ میں دیکھنے کے لیے تیار

نہیں، نیز محبت کی جو علامت ہوتی ہے اور امتحان میں پاس ہونے کے لیے جو دلیل ہوتی ہے اور جو پرچے ہوتے ہیں اس پرچے کو حل کرنے کے لیے آج کا مسلمان اپنے آپ کو تیار نہیں کرر ہا ہے، بلکہ بے حد بے فکری کے ساتھ زندگی گزار رہا ہے۔

اے مسلمانو! اگر تمہاری زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول نکل جائے تو یہ تمہاری زبان کی سعادت ہے، اگر تمہارے ہاتھ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل صادر ہو جائے اور اگر تمہارا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمل بنا لے تو اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے، تمہارے اعضاء و جوارح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل صادر ہو جائے اور فرشتے اٹھا کر لیجائیں اور اللہ تعالیٰ سے کہہ دیں کہ: یا اللہ! فلاں بندے کا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مشابہ دکھائی پڑتا ہے، تو پھر آپ بتایئے کہ اس انسان کے لیے اس سے بڑی سعادت کی چیز اور کیا ہو سکتی ہے؟

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''مَا مِنْ مُصَلِّي اِلَّا وَمَلَكٌ عَنْ يَّمِيْنِهِ وَمَلَكٌ عَنْ يَّسَارِهِ فَإِنْ اَتَمَّهَا عَرِجَابِهَا وَإِنْ لَمْ يُتِمَّهَا ضَرَبَا بِهَا عَلٰى وَجْهِهِ '' (فیض القدیر، الرقم: ۸۱۱۱) یعنی فرشتے ہر مصلی کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار اور نقوش تلاش کرتے ہیں، چناں چہ مصلی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام کر لیا تو فرشتے اس کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں اٹھا کر لے جاتے ہیں، اسی طرح اگر اس نے رکوع رسول اللہ کے رکوع کے مشابہ کر لیا، سجدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کے مشابہ کر لیا، تو اسے اٹھا کر لے گئے اور جن کے قیام، رکوع، سجود وغیرہ رسول اللہ کے مطابق نہیں ہوئے تو ان کے اس عمل کو خود ان ہی کے منہ پر پھینک دیتے ہیں اور کوڑے دان میں ڈال دیتے ہیں۔

معلوم یہ ہوا کہ ہر وہ عمل اور ہر وہ عبادت جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی شائننگ اور مشابہت پائی جاتی ہے اسی کو فرشتے اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں لے جاتے ہیں اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی شائننگ نہ پائی جاتی ہو اور مشابہت نہ پائی جاتی ہو اس کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتے ہیں۔

اتمام صلوٰۃ کی تعریف:

اسی لیے حضرات علماء کرام اتمام صلوٰۃ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہر وہ نماز جو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ادا کی جائے وہ اتمام صلوٰۃ میں شامل ہے ورنہ کوئی قیام، کوئی رکوع، کوئی قومہ اور کوئی بھی جلسہ یہاں سے منتقل ہو کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں جانے والا نہیں ہے، بلکہ اسی کرۂ ارضی میں پھنس کر رہ جائے گا۔

اس کی میں ایک مثال دیتا ہوں کہ (Xport) کے ذریعہ باہر ملکوں میں جو مال بھیجا جاتا ہے وہ ایک نمبر کا ہوتا ہے، اگر مال ایک نمبر ہوگا تب ہی باہر جائے گا، ورنہ مال واپس ہو جاتا ہے، اسی طرح اس دنیا میں ایک نمبر کا مال وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کی مشابہت اختیار کرلے، لہٰذا جو عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مشابہ اور مثل ہوگا وہی عمل اوپر چڑھے گا، ورنہ سب واپس کر دیا جائے گا اور منہ پر پھینک دیا جائے گا؛ لہٰذا اگر دوبارہ محنت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مشابہ بنانے کی کوشش کروگے اور وہ بن بھی جائے گا تب تو تمہارا مال باہر جائے گا ورنہ یہ کہہ کر چھوڑ دیا جائے گا کہ ابھی تمہارا مال اسپورٹ کے قابل نہیں بنا ہے۔

میرے دوستو! آپ سوچتے ہوں گے کہ شاید اللہ میاں کو ہمارے مال کی، دولت کی اور حکومت کی ضرورت ہے؛ لیکن ایسا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کو تمہاری کسی بھی چیز کی ضرورت

نہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو کسی غریب سے کہا کہ اپنی غربت کدہ لے کر آنا اور نہ اللہ تعالیٰ نے کسی بادشاہ سے کہا کہ تم میری جنت میں (5-Star Hotel) لے کر آنا، تب داخل ہوں گے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی جنت میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے، اگر جانے والا سلیقۂ نبوی اختیار کر کے سلیقہ مندی سے چلا گیا اور محبت والا بن کر چلا گیا تو اللہ تعالیٰ کی جنت نعمتوں سے بھری پڑی ہے، اس میں کچھ نہ تو لانے کی ضرورت ہے اور نہ کچھ بنانے کی ضرورت ہے اور نہ اس میں سونے اور چاندی میں اضافہ کی ضرورت ہے، معلوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی جنت وہ جنت ہے جس میں کسی نعمت کی کوئی کمی نہیں۔

لہٰذا میں کہتا ہوں کہ دنیا کے یہ (Taj Hotel) یہ (5-Star Hotel) اور تمام عیش کدے اللہ تعالیٰ کی جنت کے مقابلہ میں دنیا کے استنجا خانے میں بھی رکھنے کے قابل نہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر میرے پاس آؤ گے تو دنیا کے یہ (Taj Hotel-5-Star Hotel) اور تمام عیش کدوں کی محبت اپنے دل سے نکال کر آنا اور پھینک کر آنا، البتہ اس دنیا میں جا کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی شکل میں کتنا کمایا اور اپنے آپ کو ان کی اتباع میں کتنا ڈھالا تھا، صرف وہی لے کر آنا، اس کے علاوہ کچھ بھی مت لانا، اگر لاؤ گے تو اسی کے مطابق جزا اور سزا کا تعین ہوگا۔

ظاہر اور باطن دونوں میں اتباعِ رسول درکار ہے:

خواجہ صاحب علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں ؎

تیرے محبوب کی یا رب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

بھائی! حقیقت پانے کے لیے پہلے صورت لانی پڑے گی؛ لیکن آج کا یہ مسلمان

صورت بھی دینے کے لیے تیار نہیں، تو پھر حقیقت کیسے منتقل ہوگی؛ لہٰذا ظاہری اعمال ہوں یا باطنی اعمال، ہر ایک میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع درکار ہے، جب آپ کسی کی اتباع کریں گے تب ہی وہ کہے گا کہ یہ میرا آدمی ہے؛ لیکن اگر آپ کسی کو پکڑ کر لے آئیں اور کہنے لگیں کہ حضرت آپ ان کو خلافت دے دیں تو حضرت دیں گے؟ وہ کہیں گے کہ پتہ نہیں کون آدمی ہے اور کہاں سے لے کر آ گئے ہو، اس کو یہاں سے ہٹاؤ!۔

معلوم یہ ہوا کہ ایک انسان کسی انسان پر اپنا اعتماد ظاہر کرنے کے لیے تیار نہیں، جب کہ ادنیٰ سا انسان کی حیثیت اور حقیقت ہی کیا ہے؟ لہٰذا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں سے دھوکا کھا جائیں گے؟ کیا وہ دھوکا کھانے والوں میں سے ہیں؟ نہیں! وہ دھوکہ کھانے والے نہیں ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں ''يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ'' (البقرہ:۹) معلوم یہ ہوا کہ اس دنیا میں آدمی تو دھوکہ دے سکتا ہے؛ لیکن وہاں تو حقیقت کا فیصلہ ہونے والا ہے اور سارے خلائق کے سامنے پتہ چل جائے گا کہ کون اصلی والا ہے اور کون نقلی۔

کامل اتباع کی پہچان:

اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں رونے دھونے کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بعد بھی رونے دھونے کی ضرورت ہے؛ لہٰذا ایسا نہ ہو کہ لوگ نقلی کو نقلی پہچان جائیں بلکہ نقلی تو ایسا ہونا چاہیے کہ اصلی میں تمیز باقی نہ رہے اور نقل اور اصل میں تمیز نہ ہونے پائے۔

یہی وجہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں میرے علماء کی شان

بنی اسرائیل کے انبیاء جیسی ہوگی اور فرشتوں کو بھی احساس نہیں ہوگا کہ نبی جا رہا ہے یا امتی!۔

معلوم یہ ہوا کہ کامل مشابہت ہونی چاہیے، تب ہی کام چلے گا، ورنہ اگر نقل پکڑی گئی تو پھر ہاتھ میں ہتھکڑی لگ جائے گی، نقل وہی ہے جو پکڑی نہ جائے اور نقل اصلی وہی ہے جو اصل سے ممتاز نہ ہونے پائے، بلکہ اصل کے ساتھ مل جائے، تب ہی نقل نقل ہوگی ورنہ وہ تو دھوکہ ہوگا۔

اورنگ زیبؒ اور ایک بہروپیا کا واقعہ:

حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ نے ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک بہروپیا اپنا روپ بدل کر بادشاہ اورنگ زیبؒ کو سلام کر کے اپنا کمال دکھانا چاہتا تھا اور اس کا کمال جب ثابت ہوتا جب اس کا روپ پہچانا نہ جاتا اور وہ پکڑا نہ جاتا، لیکن وہ شخص کسی بھی روپ میں آتا تو بادشاہ اورنگ زیب فوراً اس کو پہچان لیتے، پھر ہاتھ جوڑ کر وہ چلا جاتا، اسی وجہ سے مدتوں تک بادشاہ سے کوئی انعام نہ پاسکا جب کہ اس کو بادشاہ سلامت سے انعام لینا تھا، اب اسی اثناء میں پتہ چلا کہ بادشاہ سلامت کا فلاں جگہ دورہ ہونے والا ہے، پہلے زمانہ میں بادشاہ کا دورہ کرنے کے لیے چار چار مہینہ کا وقت لگ جاتا تھا، لیکن اب تو ہوائی جہاز کا زمانہ ہے، صبح گئے اور شام کو آ گئے؛ لٰہذا بادشاہ سلامت کا حکم جاری ہوا کہ تمام کارندے تیار رہوں اور یہ کام کرلیا جائے، وہ کام کرلیا جائے اور اِدھر بہروپیا بھی اہل اللہ کا لباس پہن کر اپنا الگ رخ اپنایا، اپنا کرتا اور پائجامہ لمبا کیا اور پگڑی وگڑی بھی باندھ لی اور اپنی پارٹی سیٹ کر کے ان سے یہ کہہ دیا کہ پورے علاقہ میں یہ اعلان کرتے رہو کہ بہت بڑے حضرت یہاں رہتے ہیں، اب ادھر کچھ دنوں کے بعد بادشاہ اورنگ زیب چل پڑے، چوں کہ اورنگ زیب علیہ الرحمہ بہت بڑے آدمی تھے، صاحب نسبت بزرگ

تھے، اس لیے ان کا یہ دستور تھا کہ جب کہیں جاتے تو علاقہ والوں سے پوچھتے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کا ولی اور ولیہ رہتے ہوں تو بتاؤ! لہٰذا جب خبر ملتی تو ان کے یہاں حاضری دیتے، چناں چہ جب اس بہروپیا کے بارے میں معلوم ہوا تو وہاں بھی اپنی حاضری کی درخواست بھیج دی؛ لیکن اس نے بہت سختی سے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو میرے یہاں آنے سے بھگاؤ اور کہنے لگا کہ خبردار یہاں دنیا داروں کے آنے کی کوئی گنجائش نہیں، اگر وہ آئیں گے تو تمام وہی غلیظ چیزیں لے کر آجائیں گے، یہ کہہ کر بادشاہ سلامت کی درخواست ٹھکرادی؛ لیکن بادشاہ اورنگ زیب نے دوبارہ سفارش کرائی اور بڑی منت سماجت کی تو بہت سارے سفارشات کے بعد اجازت مل گئی، اب اجازت کے بعد بادشاہ اورنگ زیب وہاں پہنچے اس کے بعد دعا کی درخواست کی اور اپنے سفر کے تھکن کو ظاہر کیا اور دعا چاہی تو اس نے دعا دی، اللہ تعالیٰ تمہارا بھلا کرے، اس کے بعد بادشاہ اورنگ زیب ایک ہزار اشرفی نکال کر کہنے لگے کہ یہ لیجیے حضور آپ کی خدمت میں پیش ہے! وہ کہنے لگا کہ اسے ہٹاؤ اسی لیے میں نے منع کیا تھا اور منع کرنے کے بعد بھی جب آئے تو دنیا کی گندگی ہی لے کر آئے ہو آخر جو خدشہ تھا وہی ظاہر ہو گیا، لیکن اورنگ زیب معافی مانگتے ہوئے کہنے لگے کہ حضرت اس کو لے لیجیے اور دعا کر دیجیے، اس پر بھی وہ کہنے لگا کہ دعا بکتی نہیں، دعا کی کوئی قیمت ہوتی ہے، دعا تو انمول ہوتی ہے؛ لیکن آج دعا والے بھی دو روپیہ کے چکر میں دعا کو بیچ دیتے ہیں، جب اس نے یہ بات کہی کہ دعا بکتی نہیں ہے، یہ سن کر بادشاہ اورنگ زیب وہاں سے چل پڑے اور ان کو احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ کون صاحب تھے، اور جب بادشاہ سلامت اگلے پڑاؤ پر پہنچ گئے تو اِدھر سے یہ شخص بھی مسکراتے ہوئے پہنچا، سلام کیا اور کہا کہ شرط پوری ہوگئی، اب انعام لائیے، چناں چہ بادشاہ نے سو روپیہ دینے کا اعلان کر دیا، اس کے بعد بادشاہ اورنگ زیب

علیہ الرحمہ نے ایک بات پوچھی کہ ایک ہزار اشرفی تو تمہاری خدمت میں جا ہی چکی تھی اور ایک سو روپیہ بھی تم کو مفت میں مل جاتا، لیکن تم نے ایک ہزار اشرفی کو چھوڑ کر سو روپیہ کو لینا منظور کیا، آخر اس کی کیا وجہ تھی، تو اس بہروپیا نے جو بات کہی وہ بات سننے کے قابل ہے؛ وہ کہنے لگا کہ حضور اس کی وجہ یہ تھی کہ جس جماعت کا روپ میں نے اپنایا تھا اور جس جماعت کی مشابہت میں نے اختیار کی تھی اگر اس میں ہوتے ہوئے میں مال لے لیتا تو وہ مشابہت پوری نہ ہوتی اور اس کا مطلب یہ ہوتا کہ اس لبادہ اور گودڑی میں مال کی محبت کے لیے میں بیٹھا ہوں جب کہ مال کی محبت کے ساتھ ولایت جمع نہیں ہوسکتی، اس لیے میں نے سوچا کہ بغیر اس کو مارے ہوئے ولایت نقلی بھی ثابت نہیں ہوسکتی، چہ جائیکہ اصلی ثابت ہو جائے، اسی لیے میں نے ایک ہزار اشرفی کو چھوڑ کر ایک سو اشرفی کو لینا منظور کیا تھا تا کہ اولیاء کاملین کی اتباع مکمل ہو جائے۔

میرے دوستو! آج ہم ولایت اصلی کے بھی دعویدار ہیں اور مال سے محبت کے لیے بھی تیار ہیں، جب کہ دونوں کا اجتماع دو متضاد چیزوں کے اجتماع پر مشتمل ہے۔

شاہ غلام نبی علیہ الرحمہ کا واقعہ:

آج میں قاری حنیف صاحب کی تقریر سن رہا تھا، جس میں شاہ غلام نبی صاحب کا ایک قصہ سنا رہے تھے، چناں چہ شاہ غلام نبی صاحب علیہ الرحمہ کے دربار میں اس وقت کے نواب آئے اور کہنے لگے کہ حضور یہ پورا ضلع آپ کے خانقاہ کے لیے وقف کرتا ہوں، تو حضرت نے فرمایا کہ اگر میں نے قبول کرلیا تو فقر کی توہین ہو جائے گی اور ہمارے اکابرین و بزرگان کے طریقہ کی حق تلفی ہو جائے گی۔ بھائی! ہم تو اللہ حیّ لایموت پر اعتماد کرنے والے ہیں، اس لیے حضرت نے فرما دیا کہ یہ ہمیں نہیں چاہیے۔

''مدرسہ بیت العلوم'' بانی مدرسہ کا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے:

ابھی حافظ منظور صاحب دادا جان قطب الاقطاب شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری علیہ الرحمہ کا مدرسہ بیت العلوم کے متعلق ایک قصہ سنانے لگے۔ نیز آپ لوگوں میں سے بہت سے لوگوں نے دادا جان کو دیکھا بھی ہے اور یہاں راوی بھی موجود ہے اور مروی عنہ کے بارے میں تو کوئی شک ہی نہیں تو قصہ انہوں نے یہ سنایا کہ میں جب مدرسہ میں تھا تو ہمارے ناظم صاحب کے یہاں ایک ریٹائر داروغہ آیا اور کہنے لگا کہ میں اس مدرسہ میں کچھ بڑی رقم دینے کے لیے حاضر ہوا ہوں، تو ناظم صاحب کہنے لگے کہ بھائی یہ تو ہمارے حضرت کے مزاج کے خلاف ہے، معلوم نہیں وہ تمہاری رقم لیتے ہیں یا نہیں؟ تو کہنے لگا کہ اچھا آپ پوچھ کے آیئے گا تب میں دوں گا؛ لیکن اس مدرسہ کی بات یہ ہے کہ جب میں یہاں آیا تو بڑا سکون نصیب ہوا اور ہمارا دل بالکل مطمئن تھا، اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ یہاں ہماری بھی کچھ رقم لگ جاتی اور ہماری آخرت بھی بن جاتی اور چوں کہ حضرت کے آنے کا معمول دوشنبہ کو تھا، اس لیے حضرت یکہ گاڑی سے جیسے ہی اترے ویسے ہی میں نے پوچھ دیا کہ حضرت ایک مسلم ریٹائرڈ داروغہ آیا تھا جو کہ اس مدرسہ میں کچھ موٹی رقم دینا چاہتا ہے، وہ کہنے لگے کہ میں نے ابھی اپنا پورا جملہ بھی ادا نہ کر سکا تھا کہ حضرت نے جلدی سے پوچھ لیا کہ ارے تم نے کچھ کہا تو نہیں، تو میں نے کہا کہ جی حضرت میں نے ان سے کہہ دیا کہ حضرت سے اجازت لے کر کہوں گا، فرمایا کہ بس زمین پر ایسے ہی کھڑے تھے اور ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے کہ بھائی دیکھو یہ ان کا مدرسہ ہے، لہٰذا اس میں کوئی غلط مال نہ آنے پائے، اس میں عبدالغنی کی کوئی تختی نہیں لگانی ہے۔

دادا جان نے فرمایا کہ بھائی دیکھو یہ آسمان والے کا مدرسہ ہے، خبردار! ایسی غلطی

کبھی مت کرنا، بھائی! اتباع کوئی ایسا مال نہیں ہے جس سے اللہ اور رسول اللہ کو دھوکا دیدو!۔

پوری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے خلاف گزاری اور سوچ رہا ہے کہ قیامت کے دن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں گے کہ یہ تو میرا غلام ہے، بھائی اسی غلام کہلانے کے لیے ہی نہ جانے کتنے لوگوں نے کتنا پاپڑ بیلا ہے اور تم مفت میں غلام رسول کہے جاؤ گے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان وفاداری:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریبی تھے، جب رسول اللہ نے ان کو امیر حج بنا کر بھیجا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سواری بھی پیچھے سے فوراً گئی، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات براءت سنانے کے لیے ان کو بھیجا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر ابھی ذوالحلیفہ ہی میں تھے کہ پیچھے سے اس اونٹنی کی آواز جو رسول اللہ کی خصوصی سواری تھی ان کے کان میں آنے لگی، اس لیے اونٹنی کی آواز سنتے ہی تمام لوگ گھبرا گئے، حتیٰ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا بات ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں، بھائی وہ لوگ تو عاشق رسول تھے اور جس قدر محبت ہوتی ہے، اسی قدر بدگمانی بھی بڑھ جاتی ہے تو سوچنے لگے کہ ارے بھائی کیا ہوا، کسی نے شکایت تو نہیں کر دی؛ لیکن جب دھول اور غبار میں کمی آئی اور حضرت علی قریب آئے تو معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آ رہے ہیں اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فوراً پوچھا امیر یا مامور؟

یعنی آپ امیر بن کر آئے ہیں تو لیجیے جھنڈا آپ کے حوالے، اب میں آپ کا غلام اور خادم ہوں اور اگر مامور بن کر آئے ہیں تو بات ہی الگ ہے؛ تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں مامور ہوں، مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت براءت سنانے کے

لیے بھیجا ہے؛ کیوں کہ اہل بیت میں سے کسی کا ہونا ضروری تھا تو اسی اصول کے مطابق آیات براءت سنانے کے لیے مجھے بھیجا گیا ہے اوراس کی نشانی وعلامت کے طور پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ اپنی سواری دی ہے تا کہ کسی کو کسی بھی طرح کا کوئی شک وشبہ نہ ہو۔

اب مقام ذوالحلیفہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بار بار یہ شبہ ستا رہا تھا کہ لگتا ہے کہ میرے محبوب ناراض ہیں، آخر یہ سب معاملہ ہونے کے بعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کیوں بھیجے ہیں، اسی لیے ذوالحلیفہ ہی سے جلدی سے بھاگ نکلے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ کیا ابوبکر کی غلامی میں آپ کو شک تھا، کیا میری وفاداری پر آپ کو کسی (C.I.D.) مقرر کرنے کی ضرورت تھی، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! کیا سوچتے ہو تم تو میرے یارِ غار ہو، تم تو میرے وزیر ہو اور تم تو میرے آخرت کے رفیق ہو؛ لہٰذا تمہاری وفاداری میں کیا شک شبہ پیدا ہوسکتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بھائی غلام کا حق وہی تھا، جو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادا کیا۔

دعائے صدیقؓ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول مجھے آپ ایسی کوئی دعا سکھا دیں جس کو میں پڑھا کروں، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''**اللّٰهم أني ظلمت نفسي ظلما كثيرا. الخ**'' سکھائی۔ جس کو ہم اور آپ اپنی نمازوں میں پڑھا کرتے ہیں اور بخاری شریف کی روایت میں اس کو دعائے صدیق بھی کہا گیا ہے؛ لیکن میں کہتا ہوں کہ آپ اس دعا کے الفاظ میں غور وفکر کیجیے، اس دعا میں تو ابوبکر صدیق سے کوئی بھی جملہ ملتا جلتا نہیں، کہاں ابوبکر صدیق اور کہاں ''**ظلما كثيرا**'' اور ''**ولا يغفر الذنوب الا أنت**'' کے کلمات سکھائے گئے ہیں، اس

لیے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی یہ احساس دلایا گیا کہ اے ابوبکر اگر چہ تم نے سارے انسانوں میں سب سے زیادہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر کی ہے، لیکن یاد رکھو! محمد رسول اللہ، اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، اس لیے تم نے جو کچھ ادا کیا ہے، اس کے باوجود تمہیں ادائیگی حق میں نقص کا احساس کرنا چاہیے؛ کیوں کہ وہ نعمت بہت بڑی تھی، اس نعمت کا حق تم سے بھی رہ گیا ہے، اس لیے ''اللّٰھم أنی ظلمت نفسی ظلما کثیرا'' کا استحضار رکھیے۔

بھائی اس دعا میں حضرت ابوبکر صدیق معافی چاہ رہے ہیں، تو پھر ہم انسانوں کی حیثیت ہی کیا ہے؛ لہٰذا ہمیں بھی اللہ تعالیٰ سے رو رو کر معافی مانگنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کی اور اسلام کی حقیقت عطا فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو طریقہ ہے وہی طریقہ قیامت تک چلتا رہے گا اور یہ بات یاد رکھو کہ حضرات صحابہ کرام نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو محبت دی تھی اگر ہم وہی محبت اپنے اکابرین کو دیں گے تب وہ فیض منتقل ہوگا، ورنہ منافق والا مذہب تو چل ہی رہا ہے اور ہمارے اندر وہی منتقل ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو شریعت وسنت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین.

عظمت قرآن کریم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ. وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ. وَنَشْهَدُ أَن لَّا اِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.'' وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ. (القمر:۱۷)

وَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰى فِي مَوْضَعِ آخَرِ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآن خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَان ۔(الرحمٰن)

صدق الله مولانا العظيم.

میرے محترم بزرگو اور دوستو! آپ کے مدرسہ کا یہ جلسہ، جلسۂ دستار بندی کے عنوان سے منعقد کیا گیا ہے، تو اس جلسہ کی مناسبت سے آپ حضرات کے سامنے قرآن کریم کی دو الگ الگ جگہوں سے دو آیتیں میں نے تلاوت کی ہے، بڑی اختصار کے ساتھ تھوڑی سی بات عرض کرنے جا رہا ہوں دعا فرمائیں اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو ان آیات کا علمی اور عملی نفع نصیب فرمائے۔ اور ہماری اس مجلس کو علم نافع کی مجلس بنائے (آمین) اس لیے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ عِلْمًا نَّافِعًا'' یعنی اے اللہ!

ہم آپ سے علم نافع کا سوال کرتے ہیں اور علم اپنی تمام محبوبیت، مقبولیت اور مقصودیت کے باجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے دو قسموں پر منقسم ہوا ہے، (۱) علم نافع (۲) علم غیر نافع۔ اسی لیے علم نافع کا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا اور علم غیر نافع سے پناہ چاہی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں **اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِکَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ** اور چوں کہ وعظ کی مجلس بھی علم کے حصول کا ایک ذریعہ ہے، اس لیے علم کے حصول کا جب وقت ہوتا ہے، اسی وقت ہمیں علم کو نافع بنانے کی نیت کرنی پڑتی ہے اور کسی بھی عمل کی نیت اس کی ابتداء میں ہوتی ہے، تو ابتداء ہی میں جب ہماری نیت وعظ سننے سے اس پر عمل کرنے کی ہوگی تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری مدد فرمائیں گے؛ اور وعظ سننے ہی میں اپنے علم کو نافع بنانے کا جذبہ نہیں ہوگا تو وہ علم منافقین کا علم ہوجاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں مؤمنین اور منافقین دونوں کی صفتیں بیان فرمائی، چنانچہ منافقین جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے تو **سمعنا و عصینا** کہتے تھے یعنی سن تو رہے ہیں لیکن ہمیں ماننا نہیں ہے، اور مومنین بیٹھتے تو **سمعنا و اطعنا** فرماتے یعنی یہ کان اطاعت ہی کے لیے لگائے ہوئے ہیں، تو حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جذبہ اس وقت عمل کے اپنانے کا ہوتا، سیکھنے اور سننے کے وقت ہی وہ عمل کا ارادہ کر رکھتے تھے، اور منافقین سننے ہی کے وقت سے عمل نہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، تو اس سے معلوم ہوا کہ اپنے علم کو نافع بنانے کے لیے اسی وقت یہ نیت کرلیں کہ ہم اس علم پر عمل کریں گے، خواہ وہ درسگاہ میں بیٹھا ہو، یا وعظ کی مجلس میں بیٹھا ہو، یا کتاب پڑھنے کے لیے بیٹھا ہو اگر اسی وقت نیت کرلی جائے گی تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس علم پر عمل کرنے کے اسباب عطا فرمائیں گے اور اگر نیت نہیں کرتا، تو وہ علم ضائع ہوجاتا ہے اور اس نفع عظیم سے وہ انسان محروم ہوجاتا ہے، اس لیے ہمیں اپنے علم کو

نافع بنانے کی فکر رہنی چاہیے۔

قرآن کریم کائنات کی عظیم ترین نعمت ہے:

میں نے آپ حضرات کے سامنے قرآن کریم کی جو دو آیتیں پڑھی ہیں، ان میں سے پہلی ہی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں سے یہ کہہ دیا کہ یہ قرآن بہت عظیم نعمت ہے اس کا تحمل یہ تمہارے بس کی بات نہیں، یہ تو رحمٰن کی رحمت کا صدقہ ہے کہ تم اس قرآن کریم کو اٹھا لیتے ہو، پڑھ لیتے ہو اور سمجھ لیتے ہو، ورنہ تو یہ تمہارے بس اور طاقت سے بہت اوپر کی چیز تھی، چنانچہ قرآن کریم کا اندازہ آپ اس حدیث سے لگا سکتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے چالیس جوان جنتی مردوں کے برابر طاقت دی تھی، اور ایک جنتی مرد کو ایک ہزار مردوں کی طاقت دی گئی ہے، لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس ہزار مردوں کی طاقت عطا فرمائی تھی، اب اتنی طاقت کے حامل انسان پر جب قرآن اترتا تھا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''إِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلاً ثَقِيْلاً'' (سورۂ مزمل:۵) یعنی ہم آپ پر بڑا بھاری بھرکم قرآن اتارنے جارہے ہیں اور اس بھاری بھرکم قرآن اور کلام کا اثر ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء وجوارح اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے؛ چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے اسی بات کو بیان کرنے کے لیے اپنی کتاب بخاری شریف میں ایک روایت نقل کی ہے: کہ ایک صحابیؓ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئے تو ذرا مجھے وہ کیفیت دکھانا، چنانچہ جب وحی نازل ہونا شروع ہوئی تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ وہ کہاں گئے؟ ان کو بلاؤ! جب وہ دوڑ کر آئے تو کہتے ہیں کہ جب میں خیمہ میں گیا اور دیکھا تو مجھے لگتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں باہر کو آجائیں گی، اعضاء و

جوارح الگ الگ ہوجائیں گے ایسا لگتا تھا کہ زلزلہ آیا ہوا ہے، نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی فرماتی ہیں کہ جاڑے کا شدید موسم تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اترنا شروع ہوئی، تو وحی کے آتے ہی ایسا لگتا تھا کہ پیشانی مبارک سے بڑی بڑی موتیاں ڈھل رہی ہیں اور گر رہی ہیں، پسینہ کی موتیاں جھڑ رہی ہیں اور بارش ہو رہی ہے: ''إِنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ سَأَلَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ يَأْتِيْكَ الْوَحْيُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْيَانًا يَأْتِيْنِيْ مِثْلُ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ اَشَدُّه‘ عَلَيَّ فَيَفْصِمُه‘ عَنِّيْ وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَاقَالَ وَاَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلاً فَيُكَلِّمُنِيْ فَأَعِيْ مَا يَقُوْلُ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا وَلَقَدْ رَأَيْتُه‘ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيْدِ الْبَرْدِ فَيَفْصِمُ عَنْهُ وَاِنَّ جَبِيْنَه‘ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا. (الترمذی:۳۶۳۴)

میرے دوستو! ان احادیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اتنی طاقت کے حامل انسان پر جب یہ قرآن کریم اترتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت بہت متاثر ہوتی تھی، لیکن اللہ رب العزت نے قرآن کریم سننے میں بھی ہمیں کوئی تعب نہیں ہوتا، کوئی مشقت نہیں ہوتی، یہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے کہ ہم پنکھے میں بیٹھ کر قاری صاحب سے قرآن کریم سیکھ لیتے ہیں اور ہمیں پسینہ تک نہیں آتا؛ لیکن رسول اللہ کو اس قرآن کریم کا بوجھ اٹھانے میں کس قدر محنت ومشقت ہوئی اس کا اندازہ ہم نہیں لگا سکتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس عظیم نعمت کا احساس دلاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ'' یعنی یہ رحمٰن کی رحمت ہے، رحمت والے مالک کریم کا یہ بڑا انعام ہے کہ اس کریم مالک نے قرآن جیسی عظیم نعمت کو پڑھنا سکھایا، ہمارے جیسے کمزور انسان سے یہ قرآن کریم پڑھا جائے اور ہماری زبان سے

قرآن کریم کی آیات مبارکہ نکلے، یہ تو کریم مالک کا خاص انعام ہے، لیکن افسوس کہ ہمیں اس انعام کا اور اس نعمت عظمیٰ کا احساس تک نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم کی عظمت اور اس کی قدر کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

قرآن کریم کا صرف ایک حرف ''قٓ'' کے عظمت کی مثال:

اسی لیے قرآن کریم کی عظمت کو سمجھانے کے لیے میں ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ جو چھوٹا سا لفظ ''قٓ'' کو تم پڑھتے اور دیکھتے ہو، یہ عالم مثال میں کوہ قاف سے بھی بڑا ہے، اگر کسی کے حلق سے ایک پہاڑ گذر جائے تو لوگوں کے لیے کتنا استبعاد اور قابل تعجب ہوگا؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کا لفظ قٓ جو تم پڑھتے ہو تو گویا کہ کوہ قاف سے بھی بڑی چیز تمہاری زبان سے نکل گئی اور حلق سے پار ہوگئی، تو یہ اتنا عظیم قرآن ہے کہ اس کا ایک ایک حرف پہاڑوں سے بھی زیادہ بھاری بھرکم اور قیمتی ہے؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنے بھاری بھرکم قرآن کو ہمارے لیے کتنا آسان فرمادیا، جس کا آج ہمیں احساس نہیں ہورہا ہے، اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی عظمت کو سمجھنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

قرآن کریم خانہ کعبہ سے بھی افضل ہے:

میرے دوستو! یہ بات تو مسلمات میں سے ہے کہ مسلمانوں کے لیے اس دنیا میں قرآن سے زیادہ عظیم اور قرآن سے زیادہ بابرکت کوئی بھی چیز نہیں، مسلمانوں کا سب سے قیمتی سرمایہ قرآن کریم ہے، مسجد سے بھی افضل ہے، حتی کہ کعبہ شریف سے بھی افضل اور مسجد نبوی سے بھی افضل ہے، ہر مسلمان کعبہ شریف کی زیارت کے لیے لاکھوں روپیہ خرچ کرنے

کے لیے تیار رہتا ہے، ہر مسلمان یہ سوچتا ہے کہ ویزا لگ جائے، عمرہ ہی کا سہی، بس کسی صورت میں خانہ کعبہ کو دیکھ آئیں، کتنے لوگ تو اس کی حسرت میں اس دنیا سے چلے گئے چنانچہ ایک بار جب ہماری حاضری ہوئی تو ایک شخص نے کہا کہ یہاں رواق نواب حیدرآباد ہے، نواب حیدرآباد نے مکہ اور مدینہ میں رواق ندب بنوائے تھے یہ سوچ کر کہ جب ہماری حاضری ہوگی تو ہمارے ساتھ ہزار پانچ سو لوگ بھی ہوں گے، تو اسی غرض سے انہوں نے نواب حیدرآباد کے نام سے ایک رواق بنوایا، لیکن مقدر سے ان کو حج میں حاضری کی توفیق نہیں ہوئی؛ نیز آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا بڑا دور گذرا ہے، لیکن سلطنت مغلیہ کا کوئی بھی فرماں روا مسجد نبوی اور کعبہ شریف کی زیارت نہ کرسکا، کسی کو کعبہ شریف کی حاضری نصیب نہیں ہوئی، حتی کہ بادشاہ اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ اور بڑی نسبت کے حامل وہ کوئی معمولی انسان نہیں تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو بہت عظیم نسبت عطا فرمائی تھی، لیکن کعبہ شریف کی زیارت ان کے مقدر میں نہیں تھی۔ تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ قرآن کریم خانہ کعبہ سے بھی افضل ہے، لہٰذا ہمیں اس افضلیت کا احساس ہونا چاہیے، اور اس پر عمل کی فکر کرتے رہنا چاہیے۔

قرآن کریم کو دیکھنا آنکھ کی بینائی میں زیادتی کا ذریعہ ہے:

اور جب قرآن کریم خانہ کعبہ سے بھی افضل ہے، تو جس طرح کعبہ شریف کو دیکھنے کا جذبہ ہمارے اندر ہوتا ہے، اسی طرح قرآن کریم کو دیکھنے کا جذبہ ہمارے اندر کیوں نہیں پیدا ہوتا؟ مسلمانوں کے گھروں میں قرآن کریم رکھا ہوا رہتا ہے، لیکن کبھی دھیان میں بھی نہیں آتا کہ شب برأت سے پہلے قرآن کریم کو کھولیں، دیکھیں اور پڑھیں! مسلمان دس صفحہ کا اخبار اور میگزین پڑھ کر چاٹ جائے گا، لیکن قرآن کریم کا پانچ دس صفحہ پڑھنے کی توفیق نہیں

ہوتی، اے مسلمانو! تم ٹی وی چینلوں اور لایعنی چینلوں پر پانچ پانچ گھنٹہ، دس دس گھنٹہ تو وقت دے سکتے ہو، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس کلام کے لیے پانچ سے دس منٹ کے لیے تمہارے پاس ٹائم نہیں ہے، آخر اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس عظیم کتاب اور عظیم سرمایہ کے ساتھ ہمارا یہ سوتیلا پن کیوں ہے؟

مسلمانوں کا سارا کام اپنے موقع پر ہوتا ہے اور صبح سے شام تک اپنی فرصتیں وہ گزارتا رہتا ہے، لیکن اس کو موقع نہیں تو اللہ سے بات کرنے کا موقع نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب پڑھنے کا موقع نہیں، کتاب کھول کر دیکھنے کا موقع نہیں، آپ بتائیں کہ قرآن کریم جب کعبہ سے بھی افضل ہے تو اس کا دیکھنا افضل ہوگا یا نہیں ہوگا؟ اسی لیے قرآن کریم کو دیکھنا بھی افضل ہے، حتی کہ علماء کرام نے لکھا ہے کہ قرآن کریم کو جب کوئی دیکھتا رہے تو اس کی بینائی تیز ہوجاتی ہے، آنکھ کی روشنی بڑھ جاتی ہے، تو گویا کہ آنکھ کی روشنی کو بڑھانے کے اسباب میں سے قرآن کریم کو دیکھنا بھی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اور تمام مسلمانوں کو قرآن کریم چھونے کی، دیکھنے کی اور تلاوت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

قرآن کریم سے غفلت سبب ہلاکت ہے:

میرے دوستو! آج مسلمان اپنے قرآن سے کس قدر ہٹتا جارہا ہے، اگر مسلمانوں کے گھروں میں قرآن کریم رکھنے کی جگہ دیکھیں گے تو بہت ہی افسوس ہوگا۔

چنانچہ ہمارے حضرت والا محی السنہ شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی علیہ الرحمہ بھی مسلمانوں کے اس حال پر بہت تنبیہ فرماتے، مسجدوں میں جاتے تو دیکھتے کہ قرآن کریم پر دھول پڑی ہوتی ہے، بغیر جزدان کے یوں ہی رکھا ہوا ہے، تو حضرت والا بہت تکلیف سے اور بڑے دلی احساس کے ساتھ توجہ فرماتے کہ

بھائی ہمارا قرآن کریم سے تعلق کتنا سوتیلے پن کا ہو چکا ہے اور کتنا خود غرضی کا بنتا چلا جا رہا ہے، بس گھر میں قرآن کریم رکھا ہوا ہے کہ اس سے برکت ملتی رہے گی، قرآن کو آپ نے رکھ دیا اور نہ چھونے کی فرصت، نہ دیکھنے کی فرصت، اور نہ پڑھنے کی فرصت تو اس قرآن سے برکت ملے گی؟ یاد رکھو ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر قرآن پڑھنے والے نے قرآن کا حق ادا نہیں کیا تو قرآن کریم اس پر لعنت بھیجتا ہے ''رُبَّ قَارِیٍ لِلْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ یَلْعَنُه'' (احیاء علوم الدین: ص ۲۷۴ ج ۱) تو جس قرآن کو آپ نے برکت کا ذریعہ سمجھ کر اپنے گھر میں چھوڑ دیا وہی قرآن آپ پر لعنت بھیجنے کا بھی ذریعہ بن جائے گا، اس کو آپ یوں سمجھیں کہ آپ کے گھر میں ملک کا صدر آ جائے، یا ملک کا وزیر اعظم آ جائے اور آپ نے ان کے اعزاز و اکرام کرنے کے بجائے ان کی توہین کی، ان کے ساتھ استہزاء کیا تو آپ کا یہ جرم کوئی معمولی نہیں، بلکہ آپ کا یہ جرم عظیم ہے اس لیے فوراً آپ کے خلاف ہتک عزت کا مقدمہ عدالت عظمیٰ میں دائر ہوگا، اور آپ لعنت و ملامت اور سزا کے مستحق ہو جائیں گے، اسی طرح اگر آپ نے اپنے گھر میں قرآن لا کر رکھ لیا اور ان کی عزت نہیں کی تو پھر اسی قرآن کے ذریعہ لعنت و ملامت کا مستحق ہو جائیں گے اور آپ کے گھر میں رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا۔

معاہدۂ قرآن کا حکم اور اس کی تفسیر:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں: ''تَعَاهَدُوْا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَهُوَ اَشَدُّ تَفَصِّیاً مِنَ الْاِبِلِ فِیْ عُقُلِهَا. (صحیح البخاری: ص ۵۰۳۳ و مسلم ص ۷۹۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کا بڑا خیال رکھو! کیوں کہ لوگوں کے دلوں سے بہت جلد نکل جانے والا ہے، اونٹ کا اپنے رسی سے کھل کر بھاگنے سے

بھی زیادہ۔ اور علامہ طیبی علیہ الرحمہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے متعلق تمہاری جہاں تک پہنچ ہے اور جہاں تک تمہارا معاملہ قرآن کریم سے ہے وہاں تک قرآن کریم کے اس معاملہ کو اپنے ساتھ مربوط رکھو! اگر تمہارا جوڑ اس سے ناظرہ ہی پڑھنے کا ہے، اگر تم نے صرف ناظرہ ہی پڑھا ہے تو اس کو بار بار دیکھتے رہو، اور اگر حفظ بھی کر رکھا ہے تو اس کو بار بار پڑھو، اگر اس کے معانی اور مطالب کو سمجھ سکتے ہو تو اس کو سمجھنے کی فکر کرو، (علامہ طیبی علیہ الرحمہ کی عبارت ملاحظہ ہو): ''عَنْ أَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعَاھَدُوْا الْقُرْآنَ اَیْ تَفَقَّدُوْہُ وَرَاعُوْہُ بِالْمُحَافَظَۃِ وَدَاوِمُوْہُ بِالتِّلَاوَۃِ: قَالَ الطِّیْبِیُ اَلتَّعَاھُدُ اَلْمُحَافَظَۃُ وَتَجْدِیْدُ الْعَھْدِ اَیْ وَاظِبُوْا عَلٰی قِرَاءَ تِہٖ وَدَاوِمُوْا عَلٰی تَکْرَارِ دِرَاسَتِہٖ لِئَلَّا یُنْسٰی''. (شرح مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، آداب التلاوۃ ودروس القرآن ۵/۲۰) اسی لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَہٗ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاٰنَاءَ النَّھَارِ یعنی اے اللہ مجھے رات اور دن مسلسل اپنے اس قرآن کو پڑھ کر نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرما! مجھے کثرت تلاوت کی توفیق عطا فرما! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بار بار کی ہے:

''کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ عِنْدَ خَتْمِ الْقُرْآنِ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ وَاجْعَلْہُ لِیْ اِمَامًا وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً اَللّٰھُمَّ ذَکِّرْنِیْ مِنْہُ مَا نَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْہُ مَاجَھِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَہٗ اٰنَآءَ اللَّیْلِ وَاَطْرَافَ النَّھَارِ وَاجْعَلْہُ لِیْ حُجَّۃً یَّا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ''. (تخریج الاحیاء ص:۳۶۹ ج۱)

میرے دوستو! جب قرآن سے ہمارا تعلق حفظ کا ہے تو ہمیں اس کی بھی نگرانی کرنی چاہیے، اور اس تعلق کو بار بار زندہ رکھنے کی فکر کرنی چاہیے، اگر ہم عالم ہیں اور قرآن کے علوم

تک رسائی ہے،اس کے مضامین تک رسائی ہے،تو ان کے لیے صرف یہ نہیں ہے کہ قرآن کی تلاوت کر کے اس کے علوم سے غافل ہو جائیں، اس کے متعلق جو کتب تفاسیر ہیں اس کو بار بار پڑھتے رہیں اور سمجھتے رہیں،قرآن کریم کے الفاظ ہوں یا معانی قرآن کریم کے اخلاق ہوں یا احکام، نیز قرآن کریم کے اوامر ونواہی یہ سب کوئی ایسی چیزیں نہیں جن کو مسلمان چھوڑ کر اور نظر انداز کر کے زندگی گذارے، یہ تو ہماری اصلاح کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی ایک کتاب ہے جس سے مسلمانوں کو خوب فائدہ اٹھانے کی فکر ہونی چاہیے۔

قرآن کریم کے ساتھ ہماری لاپرواہی:

آج اگر مسلمانوں کو سونے یا چاندی کا برتن دے دیا جائے یا ہیرے اور جواہرات دے دیئے جائیں تو ان کو کس قدر حفاظت سے رکھے گا، وہ تو آپ کو معلوم ہے، لیکن مسلمانوں کا سب سے قیمتی سرمایہ اور سب سے عظیم نعمت جو قرآن کریم ہے، اس کو رکھنے کی جگہ اس مسلمان نے کہاں منتخب کیا، اس کے اوپر کیسا پھٹا پرانا جزدان چڑھاتے ہیں، یوں ہی پڑا ہوا رہتا ہے اس کی جلدیں ٹوٹ گئی ہوتی ہیں، اس کے اوراق پھٹ گئے ہوتے ہیں، اس پر تو مکڑی کے جالے بھی پڑے ہوئے ہیں، پھر بھی ان کو اس کی عزت کا اس کی قدر کا خیال نہیں آتا، ہمارے حضرت محی السنہ شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرارالحق ہردوئی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر گھر کے کسی آدمی کو چوٹ لگ جاتی ہے تو اس کی مرہم پٹی کی جاتی ہے، اس کے جسم کی حفاظت کی جاتی ہے، ہر وقت اس کا خیال رکھا جاتا ہے، اسی طرح قرآن کا جسم ٹوٹ جائے اور اس کی جلدیں شکستہ ہو جائے، تو اس کی بھی مرہم پٹی کی فکر ہونی چاہیے اور اس کی جلد سازی کرنی چاہیے، اگر اس کے اوراق پھٹ کر اور بوسیدہ ہو کر ناقابل استفادہ ہو جائیں تو احترام کے ساتھ لے جا کر اس کو دفن کر دینی چاہیے، نہ یہ کہ

قرآن کریم کے ساتھ بے اعتنائی کا معاملہ کرے۔

اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر:

میرے دوستو! امت کا قرآن کریم کے ساتھ بے اعتنائی اور لاپرواہی کا معاملہ کرنا بہت ہی خسارہ کی چیز ہے، آج امت کے خسارہ میں جانے کی وجہ یہی ہے کہ وہ قرآن کریم کے ساتھ بے اعتنائی کا معاملہ کررہی ہے، ہمارے حضرت والا شاہ ابرارالحق ہردوئی علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ امت کی یہ مصیبتیں خود ان کی زرخرید ہیں، ہم نے ان کو خرید رکھا ہے، یہ بلائیں اور مصیبتیں جو آرہی ہیں یہ تو ہمارے آرڈر کا مال ہیں اور آرڈر کا مال کہیں واپس جاتا ہے؟ اگر آپ نے کپڑے کی اپنی دکان کھول رکھی ہے، اور ایک ٹرک کپڑے کا آرڈر بھیج دیا تو آپ کی دکان میں کپڑا آ کر گرے گا یا نہیں گرے گا؟ اگر آپ یہ کہیں کہ بھائی یہ تو خراب مال ہے اس کو واپس کیا جائے ، واپس تو دور کی بات ہے وہ تو گانٹھ کے گانٹھ کپڑے اتار کر چلا جائے گا، تو یہ جو بلائیں اور مصیبتیں ہمارے اوپر آرہی ہیں، ہماری اپنی زرخرید ہیں؛ لہٰذا ہم لاکھ چلاتے رہیں اور شور مچاتے رہیں کہ ہمارے اوپر ظلم ہورہا ہے، ہمارے ساتھ ناانصافی کا معاملہ ہورہا ہے یہ تو ہو کر رہے گا، کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: ''إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ'' (سورۂ محمد: ۷) یعنی اے مسلمانوں اگر تم نے اللہ کے دین کی مدد کرنا چھوڑ دیا یعنی اس سے نفع اٹھانا نہیں سیکھا، تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ بھی تمہاری نصرت چھوڑ دے گا۔ تو آج مسلمان یہ نہیں دیکھتا اور یہ نہیں سوچتا کہ ہمارا تعلق دین اسلام سے کتنا مضبوط ہے، ہمارا تعلق دین اسلام سے کیسا ہے؟ قرآن کریم سے کیسا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب سے کیسا ہے؟ ہم دین اسلام سے کتنا فائدہ اٹھا رہے ہیں؟ فائدہ اٹھانا تو کجا! اس کتاب سے ہمارا کتنا سوتیلے پن کا تعلق ہے وہ معلوم ہی ہے،

بہر حال امت پر ان بلاؤں اور مصیبتوں کا آنا قرآنی تعلیمات اور اسلامی تعلیمات سے دور ہونے، اور ان کے ساتھ بے اعتنائی کا معاملہ کرنے کا نتیجہ ہے۔

قرآن کریم کا صحیح پڑھنا فرض ہے:

آج مسلمانوں کا قرآن کریم کے ساتھ بے اعتنائی کا عالم یہ ہے کہ اس کو قرآن پڑھنے کا خیال بھی نہیں رہا کہ قرآن صحیح پڑھتا ہے یا غلط پڑھتا ہے! حالانکہ قرآن کریم کا صحیح پڑھنا فرض ہے، مسلمانوں سے اتنا بڑا افریضہ چھوٹ رہا ہے، لیکن پھر بھی اس کو خیال نہیں کہ ہم صحیح قرآن پڑھنا سیکھیں، اپنے بچوں کے لیے قرآن کریم صحیح پڑھوانے کا انتظام کریں، یہ مسلمان تو اپنے بچوں کو انگریزی تعلیم دلانے کے لیے، ایک موٹی رقم خرچ کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ ایک ایک ٹیوشن پر ایک ایک ہزار دو دو ہزار خرچ کرتا ہے اور کسی کے یہاں تو صبح سے شام تک بچوں کو پڑھنے کے لیے چار چار ٹیوشن والے آتے ہیں اور اس میں دس دس بارہ بارہ ہزار روپیہ خرچ کرتے ہیں؛ لیکن اسلامی تعلیمات سے آراستہ کرنے کے لیے قرآنی تعلیمات سے ہم کنار کرنے کے لیے کوئی فکر نہیں، کوئی نظام نہیں، جب کہ علم دین کا حاصل کرنا فرض ہے۔

حفظ قرآن سے متعلق اکابرین کے دلچسپ واقعات:

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جب حفظ قرآن کریم ختم ہوا تو ان کے والد ماجد حضرت مولانا احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے ان سے فرمایا کہ یہ میں نے اپنے لیے پڑھایا ہے، اور جن باقی علوم کی تکمیل تم کرو گے وہ تمہارے لیے ہوگا، لہٰذا تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی نماز میں روزانہ ایک پارہ قرآن کریم پڑھ کر اس کا ثواب مجھے

پہونچاتے رہنا، میرے لیے آپ کی ایک یہی ڈیوٹی ہے۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے لکھا ہے کہ بادشاہ اورنگ زیب علیہ الرحمہ نے اپنے والد شاہ جہاں کو جب یہ اطلاع دی کہ آپ کا پوتا مبارک ہوگیا، حافظ قرآن ہوگیا، تو انہوں نے کہا کہ مجھے کیا مبارک باد دی، بیٹا تمہارا حافظ ہوا ہے اور تاج تمہارے سر پر رکھا جائے گا، مجھے کوئی خوشی نہیں؛ تو اورنگ زیب ظاہر ہے بڑے آدمی تھے انہوں نے فوراً اپنے والد کے احساس کو محسوس کرکے حفظ کرنا شروع کردیا اور حفظ مکمل کرنے کے بعد اپنے والد کو بتایا کہ میں نے بھی حفظ پورا کرکے آپ کے بھی سر پر تاج رکھے جانے کا انتظام کرلیا ہے، تو شاہ جہاں نے فرمایا کہ ہاں اب خوشی کی بات ہے کہ تو نے میرا خیال رکھا، میرے بھائی! ان واقعات سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ ہمارے اکابرین کا حفظ قرآن کریم سے اور قرآنی تعلیمات سے کتنا لگاؤ، کتنی دلچسپی اور کتنی وابستگی تھی؛ لیکن افسوس کہ آج کا مسلمان اپنے بچوں کو اپنی اولادوں کو ایسی ڈگریاں دلانا چاہتا ہے، کہ جس کا ثواب تو دور کی بات دنیا ہی میں نقد فائدہ اور ثمرہ ملنے کی کوئی ضمانت نہیں۔

قرآن کریم امت مسلمہ کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے:

آج مسلمانوں کو ہر وقت یہی فکر لگی رہتی ہے، کہ کچھ ہو یا نہ ہو انگریزی تعلیم ضرور حاصل کرو! عصری علوم ضرور حاصل کرو! اپنے بچوں کو اور اپنی اولادوں کو دنیاوی تعلیم ضرور دلاؤ! ٹھیک ہے، لیکن دینی علوم سے کچھ واقفیت ہے یا نہیں؟ دینی علوم حاصل کرنا ہے یا نہیں؟ دینی علوم سے وہ خود ان کی اولاد باخبر ہے یا نہیں؟ اس کو کچھ پتہ نہیں! میرے بھائی یہ کون کہتا ہے کہ آپ انگریزی تعلیم حاصل نہ کرو، عصری تعلیم نہ سیکھو، خوب سیکھو اور اعلیٰ ڈگری حاصل کرو؛ لیکن مسلمان بن کر سیکھو، قرآن سیکھ کر اس کو سیکھو، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں مسلمانوں

کی فہرست میں اپنا نام لکھوا کر سیکھو، کیوں کہ صرف ووٹر لسٹ میں مسلمان نام رہنے سے آپ مسلمان نہیں ہوں گے، آپ مسلمان جب ہوں گے جب آپ کے پاس اسلامی سرمایہ ہوگا، اگر اسلامی سرمایہ نہیں ہوگا تو آپ کچھ بھی ہو جائیں اللہ کے یہاں آپ کا کوئی مقام نہیں، کوئی وقعت نہیں، بہرحال ہماری نسلوں کے لیے سب سے قیمتی سرمایہ قرآنی تعلیمات ہے اب ہم اس کو فراہم کر رہے ہیں یا نہیں، یہ ہمیں سوچنا ہوگا۔

مسلمان ہی سب سے زیادہ قرآن کے حقوق کو ضائع کرنے والا ہے:

میرے دوستو! آج اگر قرآن کریم کے حقوق کو بیان کیا جائے تو ہمیں شاید احساس ہو جائے کہ قرآن کریم کے حقوق کو سب سے زیادہ ضائع کرنے والا مسلمان ہی ہے، چنانچہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے ایک انگریز کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک انگریز کو قرآن کریم پڑھنے کا بہت شوق تھا، تو اس نے اپنے کسی مسلم دوست سے کہا، کہ بھائی انگریزی میں مترجم قرآن دینا اس کو پڑھوں گا، تو اس نے اس کو دے دیا اور مہینہ یا دو مہینہ کے بعد پڑھ کر اس کو واپس کرتے ہوئے اس انگریز نے اپنے مسلم دوست سے یہ کہا، کہ دوسرا قرآن دینا یہ سوچ کر کہ شاید چھاپنے میں غلطی ہوگئی ہو، تو انہوں نے دوسرا قرآن دے دیا اور وہ شخص دو ہی چار دن میں دوبارہ پڑھ کر واپس کر دیا اور یہ بھی کہا، کہ بھیا یہ تو وہی قرآن ہے جو میں پڑھ چکا ہوں، تو مسلمان نے بہت زور سے ڈانٹا اور یہ کہا کہ تمہاری انجیل کی طرح ہمارے یہاں قرآن چار نہیں ہے، تو اس انگریز نے بھی مسلمانوں پر بہت زوردار حملہ کرتے ہوئے کہا، کہ بھائی یہ تو وہ قرآن ہے جس پر آج سے ایک ہزار سال پہلے کے لوگ عمل کرتے تھے اور اس پر عمل کر کے صحابہ اور تابعین تیار ہوئے تھے، میں تو مسلمانوں کا وہ قرآن پڑھنا چاہتا ہوں، جس کو دیکھ کر آج وہ شادیاں کرتا

ہے، جس کو پڑھ کر آج وہ اپنی زندگی گذارتا ہے، آج اس کی زندگی کیا ہے اور اس کا قرآن کیا ہے! دونوں میں تو بڑا فرق ہے، دونوں میں کوئی جوڑ نہیں ہے، کوئی زمین کی طرف جا رہا ہے اور کوئی آسمان کی طرف جا رہا ہے، آخر کیا وجہ ہے؟ کون سا قرآن پڑھتا ہے؟ یہ کون سی کتاب پڑھتا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کون سا فرمان پڑھتا ہے؟ اور عمل کس پر کرتا ہے مجھے سمجھ میں نہیں آیا، تو اس انگریز کی ان تمام باتوں کا جواب اس مسلم آدمی کے پاس تھا نہیں، اس لیے وہ خاموش ہو گیا۔

اے مسلمانو! آج ہمیں یہ خیال بھی آتا ہے کہ قرآن ہم سے کیا مطالبہ کر رہا ہے، اسلام ہم سے کیا مطالبہ کر رہا ہے، اسلام تو ہمیں کہتا ہے کہ شادیاں ایسے کرو! لیکن ہم گاؤں والوں نے مشورہ کر لیا کہ شادیاں تو ہمیں اس طرح کرنی ہے، اسلام کہتا ہے کہ تجارت اس طرح کرو! لیکن ہم شہر والوں نے مشورہ کر لیا کہ تجارت تو ہمیں اس طرح کرنی ہے، ہمیں اپنی مرضی کے مطابق کرنی ہے۔

اسلام کہتا ہے کہ تم یہ تعلیم حاصل کرو لیکن ہم کہتے ہیں کہ ہمیں تو اپنی تعلیم کے لیے الگ میدان عمل منتخب کر لیا ہے، اب تو ہمیں یہ خیال بھی نہیں رہا کہ اسلام ہم سے کچھ کہہ رہا ہے، قرآن ہم سے کچھ کہہ رہا ہے، اللہ رب العزت ہم سے کچھ کہہ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ تو ہم سے کچھ مطالبہ کرتے رہے اور ہم مسلمان خاموش تماشائی بنے رہے اور دوسرا طرز عمل اور طرز زندگی اختیار کر لیے، تو آپ بتائیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اترے گی یا اللہ تعالیٰ کا غضب اترے گا! اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور تمام مسلمانوں کو اسلام کے اور قرآن کے حقوق ضائع کرنے سے بچائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

تقویٰ پر حکومت کا انعام ملتا ہے:

اللہ تبارک وتعالیٰ فرمارہے ہیں:''یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ '' کہ اے مسلمانو! تم متقی بن جاؤ! تقویٰ والے بن جاؤ! اگر متقی بن جاؤ گے تو تم میرے دوست بن جاؤ گے، اور جب تم رب کے دوست بن جاؤ گے تو کائنات تمہاری دوست، اطاعت گذار، اور فرماں بردار بن جائے گی۔

چنانچہ خواجہ صاحب نے کہا تھا ؎

جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمین میری
اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شئ نہیں میری

آج ایک اللہ ہم سے روٹھ گیا ہے ہم نے اسے ناراض کردیا ہے، تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ ساری دنیا جب چاہتی ہے ہمیں آنکھ دکھاتی ہے اور جہاں چاہتی ہے وہاں تھپڑ ماردیتی ہے، جہاں چاہتی ہے وہاں اپنا ایٹم بم اور بارود صاف کردیتی ہے۔

میرے دوستو! آخر وہ مسلمان جس کو صرف دیکھ کر اور اس کا صرف نام سن کر بڑے بڑے کفار ومشرکین کو پسینہ آنے لگتا تھا، وہ مسلمان جس کے صرف ایک تذکرہ سے ایوان باطل میں زلزلہ آنے لگتا تھا، قیصر وکسریٰ کے واقعات میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا جب تذکرہ سنتے تو ان کو پسینہ چھوٹنے لگتا تھا، تو اب وہی مسلمان اتنی ذلت وخواری اور پستی میں کیوں؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:''نَحْنُ قَوْمٌ اَعَزَنَا اللّٰہُ بِالْاِسْلَامِ'' یعنی ہم وہ قوم ہیں جن کی عزت کا دار ومدار اسلام سے جڑا ہوا ہے، رب کی اطاعت پر موقوف ہے؛ لیکن آج ہم نے اسلام کو اپنی زندگی سے باہر کیا، اپنے گھر سے باہر کیا، اپنے سماج سے باہر کیا، اپنے معاشرہ

سے باہر کیا، اپنی تجارت اور بزنس سے باہر کیا تو پھر پوری دنیا ہمیں آنکھ نہیں دکھائے گی تو اور کیا دکھائے گی، ہم پر اپنا ایٹم بم صاف نہیں کرے گی تو اور کیا کرے گی؟

شاعر مشرق علامہ اقبال نے کیا ہی خوب کہا ہے:

وہ معزز تھے زمانہ میں مسلماں ہوکر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

میرے دوستو! آج کا یہ مسلمان پوری دنیا میں ذلیل وخوار ہورہا ہے، پوری دنیا میں بے عزتی ہورہی ہے، پوری دنیا اس کے خلاف پروپیگنڈہ کررہی ہے، آخر کیوں؟ اس کا راز کیا ہے؟ اس کا راز یہی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اسلام کے جن احکام پر عمل کرکے، قرآن کے جن فرمان کو اپنی زندگی کا مشعل راہ بنا کر اسلام کی جو بلندیاں ملی تھی اوران کے زمانہ میں اسلام کا جو عروج ہوا تھا، وہ ہم سے چھوٹ گیا، قرآن کا فرمان اور اسلام کے احکام ہماری زندگی کے تمام شعبوں سے نکلتا چلا گیا، اسی لیے ذلت وخواری ہمارا مقدر بنتی چلی گئی، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث پاک میں ارشاد فرماتے ہیں: تمہیں پتہ ہے کہ یہ کتاب اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے؟ چنانچہ جو قوم اس کتاب الٰہی سے جڑتی ہے وہ سر بلند ہوجاتی ہے، رفعت وبلندی اس کا مقدر بن جاتی ہے، اور جو قوم اس کتاب کو چھوڑ دیتی ہے اس کے احکام کو نظر انداز کردیتی ہے، اس کے فرمان کو پس پشت ڈال دیتی ہے، تو اس کے لیے ذلت وخواری مقدر بن جاتی ہے۔

إِنَّ نَافِعَ بْنَ عَبْدِ الْحَارِثِ لَقِيَ عُمَرَ بِعَسْفَانَ وَكَانَ عُمَرُ يَسْتَعْمِلُهُ عَلٰى مَكَّةَ فَقَالَ مَنِ اسْتَعْمَلْتَ عَلٰى أَهْلِ الْوَادِي؟ فَقَالَ ابْنُ ابْزٰى قَالَ وَمَنْ ابْنُ ابْزٰى؟ قَالَ مَوْلٰى مِنْ مَوَالِيْنَا قَالَ فَاسْتَخْلَفْتَ عَلَيْهِمْ مَوْلًى؟ قَالَ إِنَّهُ قَارِئٌ

لِكِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَإِنَّه، عَالِمٌ بِالْفَرَائِضِ قَالَ عُمَرُ اَمَا اِنَّ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِيْنَ. (مسلم شریف: کتاب فضائل القرآن:۱/۲۷۲)

مسلمانوں کے اس ابتر حال کے متعلق کسی بزرگ نے کہا ہے کہ ایک شخص دعا کرر ہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ اے اللہ! ذرا میرا حال تو دیکھ! اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ اے بندہ! ذرا اپنا نامہ اعمال تو دیکھ! یعنی جیسے تمہارے اعمال ہوں گے، ویسے ہی تمہارے اوپر حالات بھی آئیں گے، اگر تمہارے اعمال غلط ہوں گے تو حالات بھی غلط آئیں گے، چنانچہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''اَعْمَالُكُمْ عُمَّالُكُمْ (حوالہ اتقان ما تحسن ص۸۹ ج۱) یعنی تمہارا جیسا عمل اوپر چڑھے گا، ویسا ہی تم پر آدمی مسلط کیا جائے گا اور جیسے اعمال میں لگو گے تم کو ویسا ہی اجر ملے گا۔

حدیث ''اَعْمَالُكُمْ عُمَّالُكُمْ '' کی دل نشیں تشریح:

اس حدیث کو ایک مثال سے سمجھیں! وہ مثال یہ ہے کہ ایک شخص کسی کے خلاف تھانہ جا کر رپورٹ درج کرادے کہ فلاں آدمی نے چوری کیا ہے؛ تو داروغہ اس کو پکڑ کر مارنے کے لیے فوراً دوڑے گا یا نہیں؟ دوڑے گا؛ اب وہ مجرم کہنے لگے کہ آپ نے مجھے کیوں پکڑا اور کیوں مارا؟ تو داروغہ فوراً کہے گا کہ تمہارے خلاف چوری کا مقدمہ درج ہوا ہے اسی لیے تم مارے جارہے ہو؛ لیکن ایک شخص نے اپنی قوم کی ترقی کے لیے اپنے سماج کی ترقی کے لیے اور ملک کی ترقی کے لیے نمایاں خدمات انجام دیا، تو وہی گورنمنٹ اس کے پاس اپنا آدمی بھیجے گی، پولیس آئے گی اور داروغہ آکر یہ کہے گا کہ آپ کو آپ کے ملک کا صدر اور وزیر اعظم انعام دینے کے لیے بلا رہے ہیں؛ آپ کو تو پوری قوم کے سامنے انعامات سے نوازا جائے گا۔

تو میرے بھائی اس کے اچھے کام کرنے کی وجہ سے وہی کارندہ اس کو سلام کرنے آرہا ہے اور اس کے غلط اعمال کی وجہ سے وہی کارندہ اس کو پکڑنے آرہا ہے، ٹھیک اسی طرح اگر تمہارے اعمال اچھے ہوں گے تو وہیں سے تمہاری عزت وسربلندی کے اسباب ملتے جائیں گے اور اگر تمہارے اعمال غلط ہوں گے تو وہیں سے تمہاری ذلت وخواری کے اسباب منتخب کیے جائیں گے۔

بادشاہوں کے قلوب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہوتے ہیں:

اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ تم اپنے بادشاہوں اور حاکموں کی شکایت مت کرو! کیوں کہ تمہارے بادشاہوں کے قلوب اللہ تبارک وتعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اگر تم اللہ رب العزت کو خوش رکھو گے اور ان کی ناراضگی سے بچو گے، تو ظالم سے ظالم بادشاہ اور ظالم سے ظالم حکمراں تم پر مہربان ہوجائے گا اور تمہارے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کرے گا، لیکن جب تمہاری رپورٹ اوپر جائے گی اور وہ بھی غلط اعمال کی، تو یقیناً عمال بھی غلط مقرر کیے جائیں گے، پھر وہ تمہارے سامنے غلط رخ سے آئے گا، تم سے غصہ سے ملے گا اور تمہارے ساتھ غیر شریفانہ معاملہ کرے گا۔

احکام الٰہی سے انحراف ہی اصل ذلت وخواری ہے:

میرے دوستو! خواجہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

نگاہِ اقربا بدلی مزاج دوستاں بدلا
نظر اک ان کی کیا بدلی کہ کل سارا جہاں بدلا

آج سارا جہاں بدلا ہوا ہے، پوری دنیائے کفر متحد ہوکر مسلمانوں کے خلاف سازشیں رچ رہی ہے اور اس کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے طرح طرح کے پروپیگنڈہ کررہی ہے۔

آخر ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہورہا ہے؟ اس لیے کہ آج اللہ کی نظر رحمت مسلمانوں سے ہٹ چکی ہے؛ لہٰذا جس دن یہ مسلمان اسلامی احکام پر عمل کر کے اور قرآنی احکام پر عمل کر کے اس نعمت کو واپس لائیں گے اور نظر رحمت کو دوبارہ واپس کر لیں گے، اسی دن سے پوری دنیا اور قوم مسلمانوں کی غلامی کرتے کرتے تھک جائے گی، کیوں کہ جب یہ مسلمان اسلامی احکام پر اور قرآنی احکام پر عمل کرتے تھے تو شیر غلامی کرتا تھا، جانور غلامی کرتے تھے، اور یہی مسلمان جب جنگلوں میں پہنچتے تو کہتے تھے کہ ہم غلام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ہمیں تم یہاں منزل دو تمہیں رہنے کی جگہ دینی پڑے گی، تو تمام جنگلی جانور اپنی اپنی جھاڑیاں اور اپنے اپنے ٹھکانوں کو چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ میرے بھائی ایک وہ زمانہ تھا جس میں پوری دنیا حتی کہ جانور بھی مسلمانوں کی غلامی کرنے پر مجبور تھے اور آج وہ زمانہ آچکا ہے، جس میں یہ مسلمان پوری دنیا کی غلامی کرنے پر مجبور ہے؛ ایسا کیوں؟ اس لیے کہ آج ہمارے پاس اسلام نہیں، اسلامی احکام نہیں اور قرآنی احکام نہیں، حالاں کہ اسلام اور ایمان ہی کی وجہ سے ہماری سربلندی کا فیصلہ کیا گیا تھا، لیکن جب ہم نے اپنی سربلندی اور ترقی کے اسباب ہی چھوڑ دیئے تو پھر ترقی اور سربلندی کہاں سے ملے گی؟ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: ''وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ'' (سورۂ آل عمران:۱۳۹) یعنی تمہاری ترقی اور سربلندی تمہارے ایمان سے جڑی ہوئی ہے اور خواجہ صاحب علیہ الرحمہ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وعدۂ غلبہ ہے مؤمن کے لیے قرآن میں
پھر جو تو غالب نہیں کچھ ہے کسر ایمان میں

ایمان کی کسر ترقی کا سامان پوری کرے گا؟ ایمان کی کمی ہے اور یہ مسلمان سوچتا ہے

کہ ہمارے پاس نہ شان وشوکت ہے، نہ طاقت وقوت ہے اور نہ حکومت وسیاست ہے بلکہ کچھ بھی نہیں؛ میرے بھائی ان سب کے لیے تکمیل ایمان ضروری ہے اور فضل رحمٰن ضروری ہے، اگر تکمیل ایمان ہوگا تو فضل رحمٰن بھی ہوگا چنانچہ خواجہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

تمہاری فتح یابی منحصر ہے فضل یزداں پر
نہ قوت پر نہ کثرت پر نہ شوکت پر نہ ساماں پر

مسلمانوں کو اپنے اسلام پر عمل کرنے سے کس چیز نے روکا ہے:

میرے دوستو! آج کا یہ مسلمان بے شمار مادی اسباب وذرائع اور معدنیات کا مالک ہونے کے باوجود پوری دنیا کی غلامی کررہا ہے، اس کا راز کیا ہے؟ اس کا راز یہی ہے کہ اس کے پاس کامل اسلام نہیں، کامل ایمان نہیں، تو پھر کیا مجبوری اور کیا وجہ ہے کہ یہ مسلمان کامل مسلمان نہیں بننا چاہتا، نیک وصالح اور متقی وپرہیزگار نہیں بننا چاہتا، آپ اندازہ لگائیں اور غور وفکر کریں کہ ہمارے پاس کوئی مجبوری ہے؟ کوئی مجبوری نہیں، حالاں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: ”وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ“ (اعراف:۱۹۶) یعنی اگر کوئی شخص نیک وصالح بن جاتا ہے تو میں اس کا ذمہ دار بن جاتا ہوں، اور جس کا ذمہ دار اور متولی اللہ تبارک وتعالیٰ ہوجائے تو پھر کسی کو اپنی ذمہ داری میں لینے کی ضرورت نہیں ہے، تو پھر ہمیں کون سی چیز نیک نہ بننے پر مجبور کررہی ہے؛ کیا وجہ ہے کہ ہم نیک بننا نہیں چاہتے، ہماری گردن پر کس کی تلوار لٹک رہی ہے جو نیک بننے سے روک رہی ہے، اور کس کی طاقت ہمیں اسلام کے قریب ہونے سے روک رہی ہے، ہمارے پاس کیا مجبوری ہے کہ ہم حسد نہیں چھوڑ رہے ہیں، کس مجبوری کی وجہ سے ٹی وی اور غلط تصویریں دیکھنا نہیں چھوڑتے، ہم اپنی ڈاڑھی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی سے ملا کر رکھنے میں کونسی کمی محسوس کرتے ہیں،

ہمارے پاس کیا پریشانی ہے کہ ہم اپنے محبوب نبی کی شکل بھی نہیں اپناتے، کس پریشانی کی وجہ سے ہم نے اپنے بدن سے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس اتار دیا، یہ مسلمان اپنے نبی سے محبت کا دعویٰ تو کرتا ہے لیکن اس کی اطاعت نہیں کرتا، حالاں کہ محبت کا دعویٰ تو اطاعت کو چاہتا ہے، چنانچہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا مشہور مصرعہ ہے ؏

ان المحب لمن یحب مطیعُ

یعنی محبّ کو تو محبوب کی اطاعت کا ثبوت دینا پڑے گا، اگر اطاعت کا ثبوت نہیں ہے تو وہ مدعی محبت کا تو ہوسکتا ہے لیکن محبت کرنے والا نہیں ہوسکتا؛ اس لیے مسلمانوں کے پاس مجبوری کیا ہے؟ کہ وہ ٹخنہ ڈھانک کر پائجامہ پہنتا ہے، مسلمانوں کے پاس مجبوری کیا ہے کہ وہ داڑھی منڈواتا ہے؟ اس کے پاس مجبوری کیا ہے کہ وہ انگریزی بال رکھتا ہے؟ اس کی مجبوری کیا ہے کہ اس کو انگریز بننے کا شوق بڑھتا چلا جارہا ہے؟ اگر اسلامیات سے واقف ہونے کے بعد انگریزی زبان سیکھتے ہو یا انگریزی ڈگریاں حاصل کرتے ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں، اس سے کوئی بھی منع نہیں کرتا، لیکن یہاں جھگڑا تو انگریز بننے کا ہے، آپ کا اکلوتا بیٹا سنسکرت پڑھ کر کافر ہوجائے تو اس کو آپ اپنے گھر میں بھی نہیں رہنے دیتے، لیکن اگر انگریزی پڑھ کر انگریز ہوجائے تو وہ آپ کا بابو ہوگیا، حالاں کہ انگریز بننے سے روکنے کے لیے ہی تمام باتیں کی جاتی ہیں؛ لیکن ہم خوش ہوجاتے ہیں کہ میرا لڑکا انگریز بن کر آیا ہے، لہٰذا آپ بتائیں کہ آپ کا اکلوتا بیٹا جنت میں جائے گا یا جہنم میں؟

جنت صرف اہل ایمان کے لیے:

میرے دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ صرف اہل ایمان کو جنت میں داخل فرمائیں گے کسی اور کو نہیں، اس میں کسی غیر مسلم کو داخل ہونے کی اجازت ہی نہیں، مسلمانوں کے علاوہ

ایک انسان بھی جنت میں داخل نہیں ہوسکتا، چاہے وہ نبی کی اولاد ہو یا نبی کے ماں باپ ہوں کسی کو بھی اس میں داخل ہونے کی اجازت نہیں، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسا کون انسان ہوگا ظاہر سی بات ہے وہ تو خلیل اللہ ہیں، تو خلیل اللہ ہونے کے باوجود جب اپنے باپ کے لیے سفارش کرنے جائیں گے، تو اس کا منظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے کہ: اے ابراہیم تجھے پتہ نہیں کہ میں نے کافروں پر جنت حرام کردی ہے، تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام فرمائیں گے کہ: اے اللہ میری عزت کا مسئلہ ہے کہ میرا باپ جہنم میں جائے اس سے بڑی اور کیا رسوائی ہوگی؟ تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے کہ اتنا تو ضرور خیال رکھوں گا کہ اصلی شکل وصورت میں جہنم میں نہیں ڈالوں گا؛ لیکن یہ بات یاد رکھنا کہ وہ جنت میں نہیں جاسکتے، اس لیے کہ میں نے جنت کافروں پر حرام کر رکھی ہے۔

معلوم ہوا کہ مومن کے علاوہ کسی اور کے لیے جنت میں داخلہ پاس ہے ہی نہیں، خواہ انگریز ہو یا یہود ومشرکین ہوں، اگر کسی کا استثناء ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر کا ضرور استثناء ہوجاتا؛ لیکن کسی کا استثناء ہوا ہی نہیں، حتی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اللہ کے یہاں کوئی محبوب ہو ہی نہیں سکتا، تو اللہ نے ان کے چچا ابوطالب کے متعلق ارشاد فرمایا کہ: آپ ان کے لیے استغفار بند کردیں، کیوں کہ میں نے مشرکین کو جہنم میں بھیجنے کا فیصلہ کرلیا، اس میں نظر ثانی کی کوئی گنجائش نہیں اور فرمادیا کہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور میرے نبی کے ماننے والوں کو معلوم ہوجانا چاہیے کہ باغی کی سفارش لے کر نہ آئے! اور میرے باغی مشرکین، کفار اور یہود ونصاریٰ ہیں، اگر میرے باغی کی سفارش لے کر آؤ گے تو بغاوت کے مقدمہ میں تم بھی شریک ہوجاؤ گے، جس سے ہر آدمی کی زبان بند

ہو جاتی ہے، کیوں کہ ایک آدمی کا بھی استثناء نہیں ہے خواہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ ہوں، یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہوں۔

یَا عَمُّ قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کَلِمَةٌ اَشْهَدُ لَکَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَقَالَ اَبُوْ جَهْلٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِیْ اُمَیَّةَ یَا اَبَا طَالِبٍ اَتَرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ یَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعْرِضُهَا عَلَیْهِ وَیُعِیْدُ لَه' بِتِلْکَ الْمَقَالَةِ حَتّٰی قَالَ اَبُوْ طَالِبٍ آخِرَ مَا کَلَّمَهُمْ هُوَ عَلٰی مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَاَبٰی اَنْ یَّقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَا وَاللّٰهِ لَأَسْتَغْفِرُ لَکَ مَالَمْ اُنْهَ عَنْکَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا أَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْ بَعْدِ مَاتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِیْمِ الخ. (مسلم شریف:ص۴۰)

اس لیے اگر کوئی شخص اپنی اولادوں کو انگریزی تعلیم دلانا چاہتا ہے اور انگریزی سکھانا چاہتا ہے، تو اس کو دو باتیں ضرور یاد رکھنی چاہیے (۱) اپنے بچوں کو ضروریات دین سکھانے کے بعد انگریزی تعلیم دلاؤ۔ (۲) ساتھ ساتھ والدین کے ذہنوں میں یہ بات ضرور رہنی چاہیے کہ آپ کا بچہ انگریز نہ بننے پائے، اگر انگریز بن گیا تو سب ملیا میٹ ہو جائے گا اور کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

عظیم قرآن کا عظیم معجزہ:

میرے دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کا سب سے قیمتی وصف بیان کیا ہے کہ یہ قرآن بہت عظیم اور بہت عظیم ہے، اسی لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب نازل ہوتا تھا تو آپ کا جسم مبارک سخت سردی میں بھی پسینے میں شرابور ہو جاتا تھا؛ لیکن بندوں پر رحمت و

شفقت کا عالم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس پر عمل کرنا چاہے تو بآسانی عمل کرلے، خواہ وہ شخص غریب ہو یا امیر، کمزور ہو یا طاقتور، بچہ ہو یا جوان، مرد ہو یا عورت، بادشاہ ہو یا فقیر کوئی بھی اس کے عمل سے عاجز نہیں، میں نے اس کو تنا سہل کر دیا اتنا سہل کر دیا کہ پانچ سال کا بچہ اور سات سال کا بچہ اس قرآن کو صحیح پڑھنے کا عمل اپنا کر حافظ ہو جاتا ہے، نیز اگر ایک نماز کو صحیح طریقہ سے پڑھا جائے تو ایک نماز کا چیک کم از کم پانچ کروڑ کا بنے گا، تو ایک بڑھیا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ کروڑ کا چیک دے کر سارے دین کو آسان بنا دیا اور قرآن کریم پر عمل کو آسان بنا دیا، اس کا راز کیا ہے؟ اس کا راز یہی ہے کہ یہ قرآن کریم کا معجزہ ہے کہ قرآن کریم علم کے اعتبار سے اتنا بلند کہ ساری دنیا عاجز، اور عمل کے اعتبار سے اتنا سہل اتنا سہل کہ ایک پانچ سال کا بچہ بھی حافظ ہو جائے، اس لیے قرآن کریم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ عمل کے لیے بڑا اسہل، بڑا اسہل اور بڑا اسہل ہے۔

میرے دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین عظام کو جو سربلندیاں عطا کی تھی وہ اسی قرآن کریم کے ذریعہ عطا کی تھی، اور آج وہ قرآن نہ کہیں سے پھٹا ہے اور نہ کہیں سے کچھ کم ہوا ہے، پھر بھی مسلمان اپنی شناخت کے لیے پریشان ہے اور آج وہ پہچانے بھی نہیں جاتے، آخر وجہ کیا ہے؟ اسی قرآن سے ابوبکر و عمر وعثمان وعلی تیار ہوئے اور اب اسی قرآن سے لوگ محروم ہو رہے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو محرومی سے بچائے، اور مسلمانوں کے دلوں میں قرآن کریم کی عظمت کو ڈال کر اس کے تمام احکام اور اوامر ونواہی پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

☆☆☆

امانتِ الٰہیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِيْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِہِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ. وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ. وَنَشْهَدُ أَن لَّا اِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُهٗ. صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. ”إِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ اَنْ يَحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلاً“ (الأحزاب: ٧٢)
صدق اللّٰه مولانا عظيم.

میرے محترم بزرگو اور دوستو! ابھی قاری صاحب نے آپ حضرات کے سامنے قرآن کریم کا ایک رکوع تلاوت کیا ہے اور میں نے بھی ان ہی کی تلاوت کردہ آیات میں سے ایک آیت آپ حضرات کے سامنے دہرائی ہے اور مجھے اس آیت کی روشنی میں امانت کے متعلق تھوڑی سی بات عرض کرنی ہے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے آسمانوں پر، زمینوں پر اور پہاڑوں پر امانت کو پیش کیا اور انہیں یہ اختیار دیا کہ اس امانت کا حق ادا کرسکو گے یا نہیں؟ اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرسکو گے یا نہیں؟ اگر اس امانت کا حق

ادا کر دیئے تو اس کے عوض میں تمہیں جنت ملے گی اور اگر پیر پھسلا تو جہنم میں جاؤ گے، چنانچہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس اختیاری امانت کو پیش کیا تو زمین وآسمان جیسے مخلوق بھی اس کو اٹھانے کی ہمت نہیں کر سکے اور انسان نے بڑھ کر اس کو لے لیا۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ:

دل ناداں اٹھا اور اٹھ کر بنیاد جہاں رکھ دی

انسان نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس اختیاری امانت کو کیوں اختیار کر لیا اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ جب اس انسان نے دیکھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی چاہت یہی ہے کہ اس امانت کو کوئی اختیار کر لے، اس امانت کو کوئی اٹھا لے اور کوئی قبول کر لے، تو اس انسان نے برجستہ کہا کہ جب تو چاہتا ہے تو بس تیرے چاہنے پر میں اپنے کو قربان کر دوں بس تو چاہے تو میں اپنی قربانی کے لیے تیار ہوں، کیسے قربان ہونے کے لیے تیار ہو گئے، ایسے قربان ہونے کے لیے تیار ہو گئے جیسے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نمرود کی آگ میں اللہ کے نام پر قربان ہونے کے لیے تیار ہو گئے تھے جس کا واقعہ آپ لوگوں نے تفصیل سے سنا ہی ہوگا اس لیے میں مختصراً عرض کر دیتا ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ جب دشمنوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو آگ میں داخل کرنے اور اس میں جھونکنے کا منصوبہ بنا لیا، تو بہت ساری لکڑیاں اکٹھا کی گئیں، پھر اس میں آگ لگا دی گئی، اور اس آگ کی تیزی اس قدر تھی کہ ایک میل اوپر تک اس کی لپٹیں اور شعائیں جا رہی تھیں، اور اگر خوب بلند پرواز چڑیا اوپر سے گذرتی تو جل کر خاک ہو جاتی، اور ایک میل تک اس آگ کی اتنی تیزی تھی کہ وہاں کوئی ٹھہر ہی نہیں سکتا تھا، اور اسی آگ میں حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام کو ڈالنے کی لوگ ترتیب بنا رہے تھے، اور نظام ومشورہ سب ہو رہا تھا، ادھر حضرت جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام

نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے میرے مولیٰ! تیرے دوست اور خلیل کو لوگ آگ میں داخل کرنا چاہ رہے ہیں، اگر آپ کہیں اور آپ کا حکم ہو تو میں ان کی مدد کروں، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ابراہیم تجھ سے مدد مانگتے ہیں تو ان کی مدد کر دو، تو حضرت جبرئیلؑ نے وہاں پہنچ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے خلیل یہ سارے محکمہ کے لوگ آپ کے صرف ایک حکم کے منتظر ہیں، یہ پانی کے فرشتے ہیں، اگر آپ چاہیں تو یہ سمندر کے پانی کو اڑا کر وہاں پہنچا دیں اور سکنڈوں میں آگ کا معاملہ ختم ہو جائے، یہ ہواؤں کے فرشتے ہیں، اگر آپ چاہیں تو یہ ہواؤں کو اڑا کر چنگاریوں کو بجھا دیں، یہ پہاڑوں کے فرشتے ہیں، اگر آپ چاہیں تو یہ دو پہاڑوں کو ٹکرا دیں اور ساری آگ دب دبا کے ختم ہو جائے، اگر آپ ہم سے مدد لینا چاہتے ہیں تو ہم ہر اعتبار سے مدد کرنے کے لیے تیار ہیں اور حاضر ہیں؛ لیکن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر میرا مولیٰ مجھے آگ میں جلتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے تو ابراہیم کون ہے جو اس سے بچنے کی تمنا کرے، بہرحال اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابراہیم کو اور ان کے ایمان کو اس امتحان سے پرکھ لیا اور وہ سو نمبر سے کامیاب ہو گئے، تو چوں کہ ان کو اللہ تعالیٰ اپنا خلیل بنانا چاہتے تھے اس لیے درمیان سے فرشتوں کے واسطہ کو ہٹا کر ارشاد فرمایا: ''یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ'' (سورۂ انبیاء) یعنی میں اپنے بندے خلیل کے لیے کافی ہوں ان کو تمہاری کسی چیز کی ضرورت نہیں پھر وہ آگ ٹھنڈی ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی خاص علامتیں:

میرے دوستو! اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے جو خاص بندے ہوتے ہیں، وہ جیسے پھولوں پر خوش ہوتے ہیں ویسے ہی کانٹوں پر خوش ہوتے ہیں، جس طرح مقامات شکر طے کرتے ہیں، اسی طرح مقامات صبر طے کرتے ہیں، اور ہر چہ از

دوست می آید دوست می باشد کے مصداق بنے رہتے ہیں یعنی دوست کی طرف سے جو بھی آئے بس اس کو دیکھ کر وہ خوش رہتے ہیں۔

اسی لیے حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہ لَنْ یُّصِیْبَنَا اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا (سورۂ توبہ:۵۱) کی تفسیر کے تحت ارشاد فرماتے ہیں کہ جو بھی مصیبت آئے اس کو اپنے لیے نافع سمجھو، نافع ہی نہیں بلکہ اپنے لیے اس کو انفع سمجھو! یہ مت سمجھو کہ اس کے علاوہ میرے لیے کوئی شئی بہتر تھی، اس لیے کہ اگر بہتر ہوتی تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسی کو بھیجتے، کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے کہ فلاں چیز نہیں تھی اس لیے اس کو سپلائی کردیا، بلکہ تمام چیزیں تو اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اس لیے اپنے بندوں کے مناسب حال اس کی ضروریات پوری کرتا رہتا ہے۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے:

سر کے کٹنے کا مزا یحیٰؑ سے پوچھ

اور تن چیرنے کا مزا زکریا سے پوچھ

یعنی سر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہیں؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے کا سر ٹکڑا کروانا چاہ رہے ہیں تو اس کے بندے تیار ہیں، جسم دو ٹکڑے ہو رہے ہیں لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ جسم کے دو ٹکڑے ہونے کو چاہ رہے ہیں تو ان کے بندے تیار ہیں، ایسا ہی ایوب علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ ان کے صحن میں سونے کی چڑیاں برس رہی تھیں تو اس کو اپنے دامن میں سمیٹ رہے تھے، اور ان کو بیماریوں کی اور پریشانیوں کی تکلیف آئی تو وہاں بھی اس بیماری کو اللہ کی طرف سے نعمت سمجھ کر ویسا ہی WELCOM اور مرحبا کہا۔ میرے بھائی وہ نعمت کے بندے نہیں تھے بلکہ وہ تو اپنے منعم کے بندے تھے، اور انہوں نے اس کو امانت سمجھ کر صحیح

مصرف میں استعمال کیا۔

إنَّا عَرَضْنَا الاَمَانَةَ کی تفسیر اوراس کا مصداق:

میرے دوستو عرض امانت کی تفسیر میں علماء مفسرین کے اقوال مختلف ہیں؛ لیکن تمام اقوال کو جامع اور سب سے راجح قول یہ ہے کہ امانت کا معنی اتنا زیادہ وسیع ہے کہ تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے اس سے کوئی خاص چیز مراد نہیں ہے: "وَاَوْلٰی الْاَقْوَالِ فِی ذٰلِکَ بِالصَّوَابِ مَا قَالَہ' الَّذِیْنَ قَالُوْا إِنَّہ' عَنٰی بِالْاَمَانَةِ فِیْ ھٰذَا الْمَوْضَعِ جَمِیْعَ مَعَانِی الْاَمَانَاتِ فِی الدِّیْنِ وَاَمَانَاتِ النَّاسِ وَذٰلِکَ أَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَخُصَّ بِقَوْلِہٖ عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ بَعْضَ مَعَانِی الْاَمَانَاتِ لِمَا وَصَفْنَا. (تفسیر طبری)

علامہ طبری علیہ الرحمہ کی اس عبارت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امانت سے کوئی خاص عبادت مثلاً فرائض وغیرہ مراد نہیں ہیں، بلکہ اپنے اندر یہ ایک عام مفہوم رکھتا ہے، چنانچہ آپ کے سر سے پیر تک جتنے اعضاء ہیں وہ سب کے سب امانت ہیں، اور آپ سمجھتے ہیں کہ یہ امانت نہیں ہے یہ تو اعضاء و جوارح ہمارے ہیں، میرے بھائی ایسا نہیں ہے بلکہ آپ کی یہ زبان امانت، آنکھ امانت، دل امانت، مال امانت اور آپ کی اولاد امانت ہے اس کی مسؤلیت آپ کے ذمہ وابستہ ہے، آپ سمجھتے ہیں کہ مدرسہ میں چندہ دے کر جیسے چاہیں اپنا مال اڑائیں، لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ آپ کو ایک ایک پیسہ کا حساب دینا ہوگا، آپ کا مالک آپ سے پوچھے گا کہ تم نے اتنا مال کمایا تو کہاں خرچ کیا اور کیسے خرچ کیا؟ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے نفس میں آزاد ہیں اور آج کی دنیا لوگوں کو یہ سمجھانا چاہتی ہے کہ ہماری آزادی پر کوئی پابندی نہیں لگنی چاہیے، میرے بھائی اس آزادی کا نام تو حیوانیت ہے کیوں کہ ہر چیز سے جو آزاد ہو وہ تو جانور ہوتا ہے، پابندی ہی تو اصل امانت ہے اور پابند شخص ہی تو

اصل امین ہے۔اسی کوشاہ پرتاپ گڈھی علیہ الرحمہ نے کہا ہے: ؎

پابند محبت کبھی آزاد نہیں ہے
اے دل اس قید کی کوئی میعاد نہیں ہے

ہرلمحہ اللہ کی خوشیوں کا خیال رکھنا ہی اصل امانت ہے۔

امانت کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ:

امانت کی جو ابھی تفسیر کی گئی ہے اسی کے ذیل میں مجھے ایک قصہ یاد آ گیا، وہ یہ ہے کہ جب حضرت موسی علیہ الصلوۃ والسلام اللہ تبارک وتعالیٰ سے کلام کرنے کے لیے تشریف لے جارہے تھے تو راستہ میں ایک مرتبہ شیطان سے ملاقات ہوگئی،تو شیطان نے کہا کہ آپ کہاں جارہے ہیں؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بلاوا آیا ہے وہیں جارہا ہوں،تو شیطان نے کہا کہ ایک میرا بھی پیغام لیتے جائیں اور وہ پیغام یہ ہے کہ آپ اللہ تبارک وتعالیٰ سے پوچھیے گا کہ میرے لیے بھی کوئی رحم وکرم کا خانہ رہ گیا ہے؟ میری مغفرت کی کوئی گنجائش رہ گئی ہے؟ کیوں کہ اگر میں توبہ کرلوں تو دنیا کے تمام فساد ختم ہوجائیں گے،حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک ہے میں بات رکھ دوں گا؛لیکن جب وہاں گئے تو کچھ یاد ہی نہیں رہا کہ کس سے کیا ملاقات اور کیا کیا باتیں ہوئی لیکن جب اللہ تعالیٰ کی تجلی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے خود پوچھا **یا موسی أدّالامانة** یعنی اے موسیٰ آپ کے پاس کوئی امانت ہےتو اس کو پیش کرو، اللہ تبارک وتعالیٰ تو دلوں کے حال سے بھی واقف ہے،تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جی، راستہ میں ایک مسافر سے ملاقات ہوئی تھی اور اس نے یہ یہ پیغام دیا ہے،تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ جا کر شیطان سے کہہ دو کہ اگر آج بھی آدمؑ کے قبر کی طرف سجدہ کرلے تو آج بھی اسے معاف کردوں گا، اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مغفرت کا دروازہ بند

نہیں فرمایا بلکہ اس کے لیے بھی دروازہ کھول رکھا ہے، اور فرمایا آدم کی قبر پر بھی سجدہ کرلو گے تو وہ سجدۂ تدارک اور سجدۂ سہو بن جائے گا اور تمہاری پرانی غلطی کو سہو سمجھ کر معاف کردوں گا ، بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کی بات لے آئے تو شیطان انتظار میں تھا، اس لیے فوراً گیا کہ کیا بات ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے لیے تو ڈھیل ہے اور معافی کا دروازہ کھل گیا ہے، اگر تم وہ بات مان لو تو ساری دنیا کا فساد ہی ختم ہو جائے، سارا جھنجھٹ ختم اور ہم لوگ بھی بیٹھ کر تسبیح پڑھنے لگیں؛ کیوں کہ تمہاری وجہ سے صبح سے شام تک دوڑنا پڑتا ہے اور قاعدے سے معمولات نہیں ہو پاتے، شیطان نے کہا کہ وہ کیا بات ہے میں بھی سن لوں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم نے آدمؑ کا سجدہ نہیں کیا تو کم از کم آدم کے قبر کا سجدہ کرلو، یہی تمہاری مغفرت کا ذریعہ بن جائے گا، تو شیطان نے یہ جملہ سن کر کہا ''إِذَا لَمْ اَسْجُدْ حَيًّا فَكَيْفَ اَسْجُدُ مَيِّتًا'' یعنی جب حضرت آدم زندہ تھے تو میں نے سجدہ نہیں کیا اب جب کہ وہ مر چکے ہیں تو پھر میں ان کا سجدہ کیسے کروں، لہٰذا میں ان کی قبر پر سجدہ نہیں کروں گا۔ بعض لوگ (بریلوی حضرات) اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس حکم سے استدلال کر سکتے ہیں لیکن ان کو اس عمل سے بچنا چاہیے! کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو یہ کہا کہ شیطان کو آدم کی قبر پر سجدہ کرنے کے لیے کہو یہی اس کی مغفرت کا ذریعہ ہے جو کہ سجدۂ تعظیمی مذہب اسلام سے پہلے دیگر مذاہب میں تو جائز تھا لیکن اسلام نے اس کو بھی منع فرما دیا۔ خیر میں یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ شیطان کے لیے مغفرت کا دروازہ بند ہے، بلکہ اس کے لیے بھی فرمایا کہ اگر ابھی بھی مغفرت کرانا چاہتے ہو تو تمہارے لیے بھی دروازہ کھلا ہوا ہے، قرآن نے اسی کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے ''وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ'' یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت تو ہر شئی کو

گھیرے ہوئے ہے، اور شیطان کے لیے بھی اللہ نے دروازہ کھول رکھا تھا لیکن وہ خود ہی اس میں آنے کے لیے تیار نہیں۔

امانت میں خیانت کرنے سے بچتے رہنا اصل ذمہ داری ہے:

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو امانت دی ہے اس امانت کی وجہ سے آپ کو اصل خوشی نہیں ہونی چاہیے، بلکہ اصل خوشی یہ ہے کہ اس کا حق ادا ہو رہا ہے یا نہیں؟ اس کی نگرانی جو ہونی چاہیے وہ ہو رہی ہے یا نہیں، آپ جن صلاحیتوں کے حامل ہیں ان صلاحیتوں کو صحیح استعمال کر رہے ہیں یا نہیں؟ اور ان کی مسؤلیت آپ کے ذہنوں میں گردش کر رہی ہے یا نہیں؟ کیوں کہ مسؤلیت کا احساس اگر آپ کے ذہن میں نہیں ہے تو پھر آپ جیسے چاہیں گے اپنی صلاحیتوں کو استعمال کریں گے، مالدار مال میں اپنے کو آزاد سمجھ کر اس کو آزادانہ خرچ کرے گا اور انسان کو جو جسم دیا گیا ہے اس کے اعضاء و جوارح کو آزاد سمجھ کر جیسے چاہے گا ویسے استعمال کرے گا، حالاں کہ انسانی اعضاء و جوارح کو سیکھ کر استعمال کرنے کی ضرورت ہے جسے کونوا مع الصادقین کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے یعنی اگر اپنے اعضاء و جوارح کو سیکھ کر استعمال کرنا چاہتے ہو تو صالحین کی صحبت میں رہو، اور صادقین کی صحبت میں رہ کر اپنے اعضاء و جوارح کا صحیح استعمال کرنا سیکھو۔

اس لیے کہ اگر کسی انسان کے پاس دنیا کی سب سے قیمتی گاڑی ہو، اور سب سے قیمتی کار ہو اور وہ اس کو بغیر سیکھے چلا رہا ہو، تو اس کی وہ محبوب گاڑی اس کو قبرستان میں لے جانے کا ذریعہ بن جائے گی؛ لیکن اگر وہ کسی ماہر فن ڈرائیور سے سیکھ کر اس کو چلائے تو میلو میل سفر کرا کر بہت آسانی کے ساتھ منزل تک پہنچا دے گی، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو جو اعضاء و جوارح عطا فرمائے ہیں، اگر اس کو کسی شیخ کامل کی صحبت میں رہ کر صحیح

استعمال کرنا سیکھ لے تو یہی اعضاء و جوارح اس کو منزل جنت میں لے جانے کا ذریعہ بن جائیں گے؛ لیکن اگر بغیر سیکھے استعمال کرتا رہے تو پھر یہی تباہی و بربادی کا ذریعہ اور سبب بن جائیں گے لہٰذا؛ انسان کو اپنے اعضاء و جوارح کا صحیح استعمال کرنے کی فکر ہونی چاہیے، کیوں کہ یہ بہت ہی قیمتی سرمایہ ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر نیکی کمانے کی جو صلاحیت دے رکھی ہے اس کا تو اسے وہم و گمان بھی نہیں کہ اس قدر نیکی کمانے کا اختیار مجھے ملا ہے۔ ایک غریب انسان مشہور انڈین کمپنی Tata Birla سے ہزار گنا زیادہ دولت رکھتا ہے، اگر ایک غریب انسان کے ہاتھ، پیر، دل اور دماغ غرضیکہ سر سے لے کر پیر تک کے اعضاء و جوارح صحیح ہیں، تو اسی سے وہ اتنی نیکی کما سکتا ہے جتنا دنیا کا کوئی مالدار نہیں کما سکتا، ارے مالدار تو چھوڑیئے میں کہتا ہوں کہ پوری دنیا کے کارخانوں کے مالک جتنا کما سکتے ہیں اس سے کہیں زیادہ ایک غریب انسان نیکی کما سکتا ہے، بشرطیکہ کسی شیخ کامل کی صحبت میں رہ کر اپنے اعضاء و جوارح کو صحیح استعمال کرنا سیکھا ہو۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے نیکی کمانے کا ایک الگ انداز:

چنانچہ روایت میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیکیاں اللہ تعالیٰ کے دربار میں جب پیش ہوتی تھیں، تو سارے زمین و آسمان بھر کر پیش ہوتی تھیں، تو ایک مرتبہ فرشتوں نے پوچھا کہ اے رب یہ کتنی عبادت کرتے ہیں کہ ساری دنیا کو جتنا ثواب ملتا ہے اتنا ان کو اکیلے ملتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ادریسؑ ہیں جو نیکی کا بزنس کرنا جانتے ہیں، نیکی کا بزنس کرنا ان سے سیکھو (ہم نے ان کو تفکر فی المخلوقات کا ملکہ دیا ہے) یہ مخلوقات میں اور کائنات میں غور و فکر کر کے اللہ کی معرفت حاصل کرتے ہیں، اور وہ مخلوقات ان کے لیے پیالہ کے درجہ میں ہو جاتے ہیں پھر ان ہی پیالوں سے بھر کر ان کی

نیکیاں ہمارے یہاں پہنچتی ہیں، اور جب یہ انسان اپنے اعضاء و جوارح کو صحیح استعمال کر کے بزنس کرنا چاہیں گے تو اللہ کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔

ذکر سے غفلت کا نقصان:

میرے دوستو! آج کا یہ آرام پرست مسلمان اپنے آپ کو ایر کنڈیشن گھر میں رکھ کر صبح سے شام تک اپنے اعضاء و جوارح کو نیکی کمانے سے معطل کر دیتا ہے صرف یہ سوچ کر کہ بڑا پیسہ کمایا ہوں اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے، اگر ایک انسان صبح سے شام تک معطل رہا، اس نے اپنے اعضاء و جوارح کو کام میں نہیں لگایا تو میں سچ کہتا ہوں کہ ساری کائنات اور ساری دنیا جتنی نفع اٹھاسکتی ہے اس سے بڑا اس نے اپنا نقصان اٹھالیا۔

اگر ایک میل مالک کو ۵/لاکھ یومیہ آمدنی ہو لیکن ایک دن اس نے اپنے میل میں تالا لگا دیا تو اس کو بہت سے لوگ افسوس دلائیں گے اور خود اس کو بھی افسوس ہوگا کہ آج ۵/لاکھ کا خسارہ ہو گیا، لیکن پانچ لاکھ کروڑ کا یہ انسان صبح سے شام تک اپنے کو معطل کر کے رکھتا ہے، اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار نہ لا کر اپنی فیکٹری پر تالا بند کر کے رکھتا ہے، پھر بھی اس کو اپنے غفلت میں گذری ہوئی اوقات پر کوئی حسرت و افسوس نہیں ہوتا، میرے بھائی یہ کس قدر افسوس کی بات ہے سوچو اور غور وفکر کرو کہ ہم نے اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت، فرماں برداری اور ذکر الٰہی میں گذارے ہیں؟ کیوں کہ اپنا محاسبہ کرنے سے اور سوچنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔

امام ابو داؤد علیہ الرحمہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جنت میں ظاہر ہے کہ مسلم بادشاہ بھی جائیں گے، تو ساری دنیا کے مسلمان بادشاہ جب وہاں پہنچ جائیں گے تو ان کو اپنی اپنی بادشاہت چھوڑنے کا کوئی افسوس نہیں ہوگا، اگر افسوس ہوگا تو اس گھڑی، اس زمانہ اور

اس وقت کا جو اللہ تعالیٰ کی یاد، اس کی اطاعت وفرماں برداری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ کے بغیر گذرا ہو، یعنی کچھ نیکی کیے کرائے بغیر جو گھڑیاں ان کی گذر گئی تھیں ان کی وجہ سے جنت میں ان کو افسوس ہوگا۔

اے مسلمانو! اپنی امانت کا احساس کرو:

میرے دوستو! آج صبح سے شام تک ہم اپنے اوقات کو ضائع کرتے رہتے ہیں، اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ ہمیں اپنی امانت کا احساس نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے پاس بطور امانت کے کیا رکھا ہے؟ اس کا احساس نہیں! اور جب احساس نہیں تو ہم امانت کے پرچے میں فیل ہوگئے، اس لیے اللہ تعالیٰ اس کو ہم سے لے کر اور چھین کر دوسروں کو دے دیتے ہیں؛ اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ انسان کی جان اور مال واولاد سب امانت کے پرچے ہیں، ان پرچوں کے ذریعہ آپ کا امتحان ہورہا ہے؛ لیکن آپ مسلسل اس امتحان میں ناکام ہورہے ہیں اور فیل فیل ہورہے ہیں، تو اللہ تعالیٰ وہ پرچہ دوسروں کو دے دیتے ہیں؛ جیسے ایک شخص میل مالک ہے، لیکن اس کی زندگی ہی میں اس کے بیٹے تمام پیسہ چھین لیتے ہیں اور وہ ایک ایک روپیہ کا محتاج ہوجاتا ہے، باپ پیسہ مانگتا بھی ہے تو بیٹا کہتا ہے کیا ٹرٹر کررہے ہو کتنا خرچ چاہیے، پھر سو روپیہ دیتا ہے، تو بیٹے نے اپنے باپ کے ساتھ آخر ایسا کیوں کیا؟ اس لیے کہ وہ امتحان میں فیل ہوگیا تھا تو پرچہ لے لیا گیا۔ میرے بھائی! امتحان کے پرچے تو سب سے لے لیے جاتے ہیں لیکن فرق اتنا ہے کہ کسی سے فوراً ضبط کرلیے جاتے ہیں اور کسی سے تاخیر میں، اسی لیے انسان جب مرتا ہے تو اس کا مال جس طرح چاہے تقسیم نہیں ہوتا، بلکہ پہلے بحکم سرکار اس کا مال ضبط ہوجاتا ہے، پھر اللہ کے حکم کے مطابق مال تقسیم ہوتا ہے اور اب بحکم سرکار اس کی زبان ضبط ہوگئی، اگر ایک کلمہ بھی بولنا چاہے تو نہیں بول سکتا اور جو دیئے

ہوئے اختیارات تھے وہ چھین لیے گئے، جو سوچنے کی صلاحیت تھی اور جو سمجھنے کی صلاحیت تھی، اب سب معطل اور بے کار ہوگئی، ایک نیکی کمانے کی بھی اب اجازت نہیں رہی، اسی لیے حدیث شریف میں سمجھایا گیا کہ ایک حسنہ بھی اس دنیا و مافیہا سے افضل ہے، چہ جائیکہ تم ہزار و ہزار کروڑ نیکیاں کمانے کی صلاحیت رکھتے ہو پھر بھی نہیں کماتے، بھائی ایک انسان کو پوری دنیا کی فیکٹری جو خسارہ نہیں دے سکتی وہ ایک انسان خود سے اپنا خسارہ کر لیتا ہے۔

نیکی کمانے میں دل اور دماغ کا کمال:

اور اس خسارہ سے انسان کو کیسے بچنا ہے؟ میں اسی کو سیکھنے کے لیے کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص اپنی زبان کو سیکھ کر چلائے، آنکھوں کو سیکھ کر اٹھائے، کان کو سیکھ کر لگائے اور اپنے دل کو سیکھ کر استعمال کرے تو میں سچ کہتا ہوں کہ نیکی کمانے کے لیے یہ دل اور دماغ ہی کافی ہیں، یہ ہاتھ اور پیر تو اس کے نوکر ہیں ان مزدوروں کو چھوڑو! دل بادشاہ ہے اور دماغ اس کا وزیر ہے، اگر دماغ جو وزیر ہے صرف صحیح سوچنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور بادشاہ کے فیصلے اس سے جڑ جاتے ہیں تو یہ دل اور دماغ ہی اس کو نیکی کمانے کے لیے کافی ہیں اور نیکیوں کے انبار لگ جائیں گے، زمین و آسمان کے مابین نیکیوں سے بھر جائیں گے اور نیکیوں سے پٹ جائیں گے اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالی کے خزانے میں کوئی کمی ہے نہیں، بلکہ وہ تو تمہاری زیرو بڑھاتے جائیں گے بڑھاتے جائیں گے یہاں تک کہ تم جنت میں جانے کے قابل ہو جاؤ گے ورنہ یہ تمہارے اعضاء و جوارح اتنی بڑی جنت کی قیمت کب ادا کر سکیں گے۔

شکر گذاری ترقی کا ایک ذریعہ ہے:

میرے بھائی! آپ اپنے کو سمجھیے کہ میں بھی امین ہوں، آپ Tata Birla کو

مت دیکھیں کہ اس کو کتنا بڑا اعزاز مل رہا ہے اور ہم کو کچھ بھی نہیں، یہ غلط بات ہے، اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ'' (سورۂ عادیات) یعنی یہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے اور ناشکری ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دوسروں کو دیکھتا ہے، یہ تو دوسروں کی کار دیکھتا ہے، اپنی موٹر سائیکل نہیں دیکھتا، اپنی سائیکل نہیں دیکھتا، اپنے سے آگے والے کو دیکھتا ہے اس لیے وہ ناشکرا ہو جاتا ہے، میرے بھائی اللہ تبارک و تعالیٰ تم سے تمہاری نعمتوں کا سوال کرے گا کہ جو نعمتیں میں نے تم کو دیا ہے، اس کا حساب دو! دوسروں کے مال کا تم سے کوئی سوال نہیں ہوگا تمہیں تو اپنے مال کے سوال کا جواب دینا ہے اور دوسروں کے مال کو دیکھ کر ناشکرا ہو جاتے ہو، اگر اپنے کو دیکھتے تو ترقی کرتے چلے جاتے؛ لیکن تم نے دوسروں کو دیکھنا شروع کر دیا اس لیے تمہاری ترقی روک دی گئی۔

امانت کو صحیح استعمال کرنے کی فکر پیدا کرو!

میرے دوستو! انسان نے جب امانت لی ہے تو اس کی اہمیت کا احساس بھی اسے ہونا چاہیے، آسمان نے کیوں انکار کیا تھا، زمین نے کیوں انکار کیا تھا اور پہاڑوں نے کیوں انکار کیا تھا، اے انسان جب تم نے پہاڑ سے بھی بڑھ کر بوجھ اٹھایا ہے، تو تمہیں اس کا خیال بھی کرنا ہوگا اگر بے خیالی میں زندگی گذرے گی تو سب ضائع ہو جائے گا۔

اس لیے ضرورت ہے کہ انسان اپنے اندر امانت داری کی اور اس امانت کو صحیح استعمال کرنے کی فکر پیدا کرے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو فہم سلیم عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک بزرگ کا واقعہ:

میرے دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتنی نعمتیں ہیں؟ اتنی نعمتیں ہیں اتنی نعمتیں ہیں کہ

جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے اور اسی نعمت کو ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں، چنانچہ ایک بزرگ کا قصہ یاد آیا وہ سن لیجئے! اور قصہ یہ ہے کہ ایک بزرگ کہیں جا رہے تھے، لیکن ان کے پاؤں میں جوتے چپل نہیں تھے، تو ان کو شکایت پیدا ہو رہی تھی کہ ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ جوتے چپل بھی نہیں، ہم پیدل جا رہے ہیں اور فلاں موٹر کار سے جا رہا ہے، فلاں گاڑی سے جا رہا ہے؛ لیکن جب آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک لنگڑا فقیر بیٹھا ہے، جو الحمدللہ الحمدللہ کہہ رہا ہے کہ اے اللہ تیرا بڑا شکر تیرا بڑا شکر ہے، تو انہوں نے غور کیا کہ یہ تو ہم سے بھی زیادہ معذور ہے پھر بھی الحمدللہ کہہ رہا ہے، تو انہوں نے پوچھا کہ بھائی تم کس بات پر شکر ادا کر رہے ہو تمہارے پاس تو پیر بھی نہیں وہ تو کٹا ہوا ہے، تو اس فقیر نے کہا کہ میں اس بات پر شکر ادا کر رہا ہوں کہ اللہ نے مجھ پر مصیبت بھیجی ہے جو میرے لیے رفع درجات کا باعث ہے، میرے لیے کفارۂ سیئات کا باعث ہے، اللہ نے مصیبت بھیجی ہے تو درستگی کے لیے، اس دنیا میں اللہ اپنے اچھے بندوں کو بھی مصیبت دیا کرتے ہیں، انبیا علیہم السلام کو بھی دیا ہے، اس لیے میں شکریہ اس بات پر ادا کر رہا ہوں کہ اس نے مصیبت بھیجی ہے، معصیت میں مبتلا نہیں کیا ہے اگر معصیت میں مبتلا ہو جاتا تو میری آخرت تباہ و برباد ہو جاتی، تب انہوں نے کہا کہ بھائی میں تو اپنے پیر میں جوتے نہ ہونے کی شکایت کرتے پھر رہا ہوں اور تم تو بنا پیر کے بھی شکر ادا کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اس طرح سبق سکھاتے ہیں جس سے ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ''فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار'' اور اس بزرگ نے اپنے رب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے مولیٰ تیری کتنی بے شمار نعمتیں ہیں جہاں ہمارا ذہن بھی نہیں جاتا تو ہم اس کا شکر کیا ادا کر سکتے ہیں! اس لیے میرے دوستو! ہم میں سے ہر ایک بڑی امانت کا متحمل ہے جس امانت کو زمین و آسمان نے نہیں اٹھایا تھا اس کو ہم

نے اٹھایا ہے گویا کہ ہم CERAAN ہیں، زمین وآسمان سے بڑا CERAAN کون ہے؟ یہ انسان ہے! جس نے امانت کو اٹھا رکھا ہے، لہٰذا اس انسان کے اندر اس کی مسؤلیت کا احساس ہر لمحہ باقی رہنی چاہیے تب جا کر ترقی کرسکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس امانت کی پاسداری کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ للهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّی وَعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْن، اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا، اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لَنَا شَانَنَا کُلَّهٗ وَلَا تَکِلْنَا اِلٰی اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَیْنٍ، یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ نَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لَنَا شَانَنَا کُلَّهٗ وَلَا تَکِلْنَا اِلٰی اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَیْنٍ.

اے اللہ محض اپنے فضل و کرم سے ہم میں سے ہر ایک کے قصوروں کو اور گناہوں کو معاف فرما، ہم میں سے ہر ایک کو اپنا قوی صحیح تعلق عطا فرما، اپنی محبت و معرفت نصیب فرما، نفس و شیطان کے چنگل سے چھڑا کر ہمیں اپنی عبدیت نصیب فرما، اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی نصیب فرما، اے اللہ نفس و شیطان کے حوالے نہ فرما، ایک لمحہ کے لیے بھی نہ فرما ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہ فرما! کیوں کہ یہ نفس و شیطان ہمارے دشمن ہیں ہمیں ایک لمحہ میں جہنم میں دھکا دے سکتے ہیں، اے اللہ ہمیں ان دشمنوں کے حوالے نہ فرما۔ اے اللہ محض اپنے فضل و کرم سے تو نے ہمیں بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان نعمتوں کے شکر گزاری کی توفیق بھی عطا فرما۔ اے اللہ! ان امانتوں کو اپنی جگہ پر اور اپنے حکموں کے مطابق استعمال کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ ہم سب کو امانت میں خیانت کرنے سے محفوظ فرما اور خیانت کی پکڑ سے ہمیں محفوظ فرما، اے اللہ ہم میں سے ہر ایک کو امانت داری اور راست

بازی نصیب فرما، اے اللہ! ہم سب کو سچا اور امانت دار بنادے۔ اے اللہ! محض اپنے فضل و کرم سے اپنا تعلق جو تو نے ہمیں عطا فرمایا ہے یہ بہت بڑی نعمت ہے اس نعمت توحید پر ہم میں سے ہر ایک کو سو فیصد شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما، اے اللہ تو نے کتنا پیارا اپنا محبوب نبی عطا فرمایا ہے ہم سب کو ان کی قدر دانی کی توفیق عطا فرما، ان کے اقوال پر اور ان کے اخلاق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ ایک لمحہ کے لیے بھی ان کے طور وطریق سے غافل نہ فرما۔ اے اللہ یہ کتنی بڑی دولت ہے کہ تو نے اپنے محبوب کی سخاوت فرمائی، دنیا میں کون اپنے محبوب کو دیتا ہے؟ کون اپنے محبوب کو عام کرتا ہے؟ اے اللہ تیرا یہ کرم ہے کہ تو نے اپنے محبوبؐ کو دیکھنے اور ہم سب کو ان کی باتیں سننے اور ہم سب تک ان کی باتیں پہنچنے کی سبیل عطا فرمائی، اے اللہ ہم سب کو اپنے محبوب کی سچی قدر دانی کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ یہ اعضاء و جوارح بھی کتنے قیمتی عطا فرمائے ہیں، ان قیمتی اعضاء و جوارح سے کیسی کیسی نعمتیں اور کتنے کتنے ثواب کا کام ہم کر سکتے ہیں، لیکن ہم غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، اے اللہ ہم سب کی اس غفلت کو معاف فرما کر آئندہ غفلت سے محفوظ فرما۔ اے اللہ اپنے اعضاء و جوراح اور اپنی صلاحیتوں کے صحیح استعمال کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ محض اپنے فضل و کرم سے جو اوقات زندگی تو نے عطا فرمائی ہے، جنت بنانے کے لیے بہت ہی قیمتی سرمایہ ہے، اے اللہ ہمیشہ رہنے والی نعمتوں، اور ہمیشہ ہمیش رہنے والی جنت کی آبیاری اور ان کی آباد کاری کا تو نے موقع عنایت فرمایا ہے، اے اللہ اس موقع کو ضائع کرنے سے ہم سب کی حفاظت فرما۔ اے اللہ ہمارے اکابر نے دین کے لیے کیسی کیسی قربانیاں دی ہیں اے اللہ ان کی اس جدوجہد کو قبول فرما، اور ہمارے اکابر جو دنیا سے جا چکے ہیں ان کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ عطا فرما۔ اور ان کو اپنی شایانِ شان بدلہ عطا فرما۔ اے اللہ ہمارے حضرت والا کے

درجات کو بلند فرما اور اپنی آغوش رحمت میں جگہ نصیب فرما۔ اے اللہ احیاء سنت کا جو درد ان کے دلوں میں بیٹھایا تھا اے اللہ ہم سب کو بھی ان میں سے حصہ نصیب فرما۔ اے اللہ تو نے ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے اور ہم تیری ہر ہر نعمتوں کے محتاج بھی ہیں؛ لیکن اے اللہ ہم تیری ابتلاء وآزمائش کے لائق نہیں، اے کریم تو بڑی قدرت والا ہے اور بڑے اور چھوٹوں پر رحم کرتا ہے، اے اللہ تجھ سے بڑا طاقت ور کون ہوگا اور ہم سے بڑا کمزور اور عاجز کون ہوگا؟ اے میرے خالق اے میرے مالک اپنی قادرانہ شان سے ہم سب کو اس دنیا کی ابتلاءات وآزمائشوں سے محفوظ فرما کر دین وایمان کی ترقیات سے مالا مال فرما۔ اے اللہ دین وایمان کی ترقیات سے حصہ نصیب فرما۔ اے اللہ ہم سب کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے اور اس کی احیاء کے لیے قبول فرما، اے اللہ بے شک یہ دین تیرا دین ہے، تو کسی کا محتاج نہیں، جیسے تو مستغنی ہے ویسے ہی تیرا دین بھی مستغنی ہے، اے اللہ تو ہماری نسلوں کو، ہمارے دوستوں کو اور ہمارے احباب کو دین پر عمل کرنے اور اس کی اشاعت کرنے کے لیے ہماری مزدوری کو قبول فرمالے۔ اے اللہ جو دعائیں کی گئیں ہیں ہم سب کے حق میں اور پوری امت کے حق میں قبول فرمالے۔

رَبَّنَا وَ آتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِنَّکَ لَاتُخْلِفُ الْمِیْعَاد، رَبَّنَا هَبْ لَنَا مَنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیَاتِنَا قُرَّۃَ اَعْیُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامَا، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ. وصلی اللہ علیه وعلی آله وسلم.

☆☆☆

از:خسرو بارگاہِ تھانوی خواجہ عزیز الحسن مجذوب علیہ الرحمہ

حقیقتِ نفس

نفس کو اسپ تیز گام سمجھ — عقل کو اس کی تو لگام سمجھ
تجھ کو بخشا گیا ہے یہ رہوار — اس کو خالق کا لطفِ عام سمجھ
تیز چلنا تو کام ہے اس کا — اور چلانے کو اپنا کام سمجھ
تیز جائے گا یہ جدھر لے چل — ہاتھ میں اپنے تو لگام سمجھ
چلنے پائے ذرا نہ ٹیڑھی چال — اپنے ذمہ یہ اہتمام سمجھ
لے چلا تو جو سوئے خیر اس کو — سب بنے پھر تو اپنے کام سمجھ
اور اگر اس کو پھیرا جانبِ شر — کام ہی اپنا پھر تمام سمجھ
اس کی نیکی بدی ہے تیرے ہاتھ — اپنے کو بدکہ نیک نام سمجھ
جو سمجھ آپ کو سمجھ اس کو — بدلگام اور نہ خوش خرام سمجھ
اس کی ٹھوکر کو اپنی ٹھوکر کہہ — گام کو اس کے اپنا گام سمجھ
اس کے اندر ہیں خیر و شر دونوں — اس کو حکمت کا اک نظام سمجھ
شر نہ ہوتا تو خیر کب ہوتی — اس کو اک حسن انتظام سمجھ
اس ہی صورت سے نظم عالم ہے — خیر و شر کو بھی صبح و شام سمجھ
نفس گویا ہے ایک تو سن شوخ — اس سے غفلت کو تو حرام سمجھ
لاکھ پا جائے اس پہ تو قابو — خود کو اک شہسوارِ خام سمجھ

یہ سدھانے سے سدھ بھی جاتا ہے
مجھ سے اک اس کا انتظام سمجھ

از: خسرو بارگاہِ تھانوی خواجہ عزیز الحسن مجذوب علیہ الرحمہ

طریقۂ اصلاح

یہ جو اڑ جائے تو بھی بس اڑ جا　　اک مفید اس کو انتظام سمجھ
نہ کیا رام یوں تو پھر تا عمر　　اس کا اپنے کو تو غلام سمجھ
جب یہ چلنے لگے اشاروں پر　　بس اسی وقت اس کو رام سمجھ
ورنہ کر بار بار پھر کوشش　　اپنی کوشش کو نا تمام سمجھ
عمر بھر رام اگر نہ ہو بالفرض　　پھر بھی فرض اس کی روک تھام سمجھ
عمر بھر رہ یونہی مشقت میں　　اس ریاضت میں اجر تام سمجھ
ہو سہولت سے یا مشقت سے　　اپنے ذمہ تو فرض کام سمجھ
نفس کو تو بجز روکے رکھ　　واجب اس کا بھی بس دوام سمجھ
لاکھ اصلاح اپنی تو کرے　　قاصر اپنے کو تو مدام سمجھ
حق تقویٰ ادا ہوا ہے نہ ہو　　اپنے تقویٰ کو ناتمام سمجھ
چُست دنیا میں ہے تو اپنے کو　　دین میں بھی نہ سست گام سمجھ
جو نہ امکاں میں ہو ترے ان کا　　اپنے ذمہ نہ اہتمام سمجھ
اب بھی سمجھے نہ جو حقیقتِ نفس　　وہ سمجھ ہے برائے نام سمجھ

بڑ نہ مجذوبؔ کی سمجھ اس کو
اس کو مصلح کا اک پیام سمجھ

☆☆☆